انگریزی حکومت

اور

عراق عرب

مرتبہ

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

باہتمام لالہ ہرنام داس صاحب گپتا

بمطبع سوراج پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ۸ر

عراق وعرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات۔

برٹش گورنمنٹ نے جو معاہدے اور وعدے عربوں اور شامیوں سے کیے اُن کی تفصیل آپ کو ان اوراق میں ملے گی۔ جس کی نہایت مقتدر اصحاب نے تشریح کی ہے۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن وعدوں کا کیا حشر ہوا ہے۔ ہندوستانیوں کو علامہ سیّد محمد رشید رضا اور اخبار بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کا مشکور ہونا چاہیے جنھوں نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا۔

خاکسار
مشتاق احمد

مسئلہ عرب وشام

(از علامہ سید محمد رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر)

جرمنی کے روس پر اعلان جنگ کرتے ہی ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ جس عالمگیر جنگ دنیا خوف زدہ ہو رہی تھی، وہ شروع ہو گئی، ہمیں یہ بھی یقین تھا کہ سلطنت عثمانیہ جرمنی کا ساتھ دے گی، کیونکہ ہم اُن گہرے تعلقات سے واقف تھے جو انجمن اتحاد و ترقی اور جرمنی کے مابین عرصہ سے موجود تھے۔ ہمیں امید تھی کہ اس موقعہ پر ترکی گورنمنٹ اپنے اُن وعدوں کو پورا کرے گی جو اس نے پیرس کی پہلی عربی کانفرنس کے بعد عربوں سے کئے تھے، ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی تھا کہ مبادا عربوں اور ترکوں کے قدیم تعصبات اس نازک گھڑی میں رونما ہوں اور سلطنت کی بربادی کا سبب بنیں۔ چنانچہ ہم نے جنگ چھڑتے ہی اپنا مشہور مضمون مصری اخبارات اور رسالہ المنار میں شائع کیا۔ اور عربوں کو نصیحت کی کہ "وہ دوران جنگ میں پوری خاموشی اختیار کریں اور ترکوں کے دوش بدوش کھڑے ہو کر اپنی تمام قوتیں فتح حاصل کرنے میں صرف کر دیں" اس مضمون کا جو اثر عربوں پر ہوا وہ ظاہر ہے۔

عرب اور برطانیہ

اوائل جنگ میں مصر کے بعض ذمہ دار برطانوی افسروں نے ہم سے کہا کہ "برطانیہ نے عربوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا عزم کر لیا ہے، عام اس سے کہ ترکی کی پالیسی اس جنگ میں کچھ ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ غیر جانبدار رہی تو برطانیہ عربوں کے مطالبات اُس سے تسلیم کرانے میں اپنا سارا رسوخ صرف کر دے گا، اور اگر وہ جرمنی کے ساتھ ہو گئی

تو برطانیہ عربوں کو خود مختاری حاصل کرنے اور عربی سلطنت کے قائم کرنے میں ہر قسم کی مدد دیگا۔"

اس کے بعد جب سلطنتِ عثمانیہ بھی میدانِ جنگ میں اتر آئی تو فرطِ خوف سے ہم لرز گئے ہمیں سب سے زیادہ فکر عربی ممالک کی ہوئی، کیونکہ وہ ہر قسم کے سامانِ مدافعت سے خالی، اور سلطنت کے جنگی مرکزوں سے بہت دور تھے، اس لئے دشمنوں کی تاخت و تاراج سے انھیں بچانا نہایت دشوار تھا، لیکن اسی اثنا میں پھر ہمیں برطانوی اعلیٰ افسروں نے طلب کر کے اطمینان دلایا کہ "گورنمنٹ برطانیہ نے تمام پارٹیوں کی اتفاق رائے سے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمام عربی ممالک آزاد کرا دے، اور اگر ضرورت ہو تو اس راہ میں ٹرکی سے جنگ بھی کرے، اور یہ کہ وہ اس کے صلہ میں عربوں سے کچھ نہیں چاہتا اور نہ ان کے ملک کی ایک انچ زمین حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کی خواہش صرف یہ ہے کہ تمام عرب اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں اور اسے اپنا دشمن نہ خیال کریں! اس ساتھ ہی سوڈان کے ذمہ دار حلقوں نے بھی ہمیں یہی اطلاع دی۔

اس کے چند دن بعد انگریزی افسروں نے ہمیں وہ اعلان دکھایا جسے وہ عربی ممالک میں شائع کرنا چاہتے تھے، اور جس میں عربوں کو آزادی دلانے کا وعدہ کیا گیا تھا مگر ہم نے پہلی ہی نظر میں محسوس کر لیا کہ یہ اعلان محض ایک دھوکہ ہے، کیونکہ اسمیں بجز لفاظی کے اور کچھ نہ تھا، اور جو وعدے صراحت کے ساتھ ہم سے کئے گئے تھے، وہ اسمیں نہ تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ "اس اعلان کو بالکل صاف صاف اور پوری وضاحت کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جسمیں کسی قسم کی تاویل نہ ہو سکے، برطانیہ کو وعدہ کرنا چاہئے کہ وہ تمام عربی ممالک کو خود مختار بنا دے گا، اپنے اتحادیوں کو اس خود مختاری کے تسلیم کرنے پر مجبور کرے گا، وہ اور اسکے اتحادی ہماری ایک انچ زمین پر بھی قبضہ نہ کریں گے نہ فتح کے نام سے، نہ ملکیت کے نام سے، نہ پروٹکٹریٹ (حمایہ) کے نام سے، اور نہ

عارضی قبضہ کے نام سے، غرضیکہ کسی نام اور کسی صورت سے قبضہ نہ کرینگے، بلکہ جون ہی
فتح ہو جائے گی، تمام مقامات فوراً خالی کردینگے، وہ بھی جن پر اس وقت قبضہ ہے اور
وہ بھی جن پر آیندہ قبضہ کرینگے، اور یہ سب بلا کسی قید و شرط اور معاوضہ کے۔"

اس پر انھوں نے باہم طویل مشورے کیئے اور لندن سے گفتگو کرنے کے بعد صاف
جواب دیدیا کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے ہیں، حالانکہ پہلے خود ہی یہ وعدے کیئے تھے، اور
انھیں کی بنا پر ہم سے مددگاری کے خواہاں ہوئے تھے۔

ان کے اس طرزِ عمل کے برخلاف ہم نے متعدد احتجاجی یادداشتیں بھیجیں جن میں
پوری وضاحت سے بتایا کہ برطانیہ کو بعض چاپلوس عربی اخبارات کی لفاظی سے دھوکہ
میں نہ پڑنا چاہیے، جو ہمیشہ جلی حرفوں میں لکھتے رہتے ہیں کہ "برطانیہ عربوں کا سچا دوست
ہے، اور عرب برطانیہ کے سچے دوست ہیں" بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "عرب سب سے زیادہ برطانیہ
ہی کی جانب سے غیر مطمئن ہیں، اور صرف اُسی کو اپنا دشمن یقین کرتے ہیں۔" نیز اس حقیقت
پر بھی روشنی ڈالی تھی کہ سلطنتِ عثمانیہ اسلام کی آخری اور وحید طاقت ہے کہ جو
دنیا میں باقی رہ گئی ہے، مسلمان خود مختار اسلامی سلطنت کے بقار کو عقیدۂ توحید کے
بعد سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیز سمجھتے ہیں، اور بجا طور پر سمجھتے ہیں، کیونکہ اُسی کے
ذریعہ سے دین الٰہی کی حفاظت و حمایت ہوتی ہے، اور اغیار کے روبرو مسلمانوں کے
سر بلند ہوتے ہیں، چنانچہ محض اسی سبب سے تمام دُنیا کے مسلمان دولتِ عثمانیہ کے
والہ و شیدا ہیں، اور کیوں نہوں جبکہ وہ اُسے خلافتِ نبوی تسلیم کرتے ہیں، پس اگر
برطانیہ اُس سے برسرِ پیکار ہوگا، شام و عراق پر قبضہ کرے گا، اور حجاز پر دسترس حاصل
کریگا، تو دنیا بھر کے مسلمان خصوصاً مسلمانانِ ہند یقین کرلیں گے کہ برطانیہ اسلام
کا وحید دشمن ہے، اور اُسے صفحۂ ہستی سے ناپید کردینا چاہتا ہے۔ اس پر وہ سب
بیک دل و جان اُس کے مقابلہ پر کمربستہ ہوجائیں گے، اور اس طرح برطانیہ شدید

کشمکش میں مبتلا ہو جائیگا۔ ساتھ ہی یہ بھی جتا دیا تھا کہ عرب پر قبضہ کرنا اور پھر چین سے حکومت کرنا کھیل نہیں ہے، برطانیہ کو اس راہ میں لوہے کے چنے چابنے ہونگے اور بغاوتوں کے لاانتہا ہی سلسلہ کے روکنے کے لئے بے شمار جنگی طاقت اٹھانا پڑیگی۔

ان تحریروں میں ہم نے یہ بھی صاف کر دیا تھا کہ حالتِ جنگ میں برطانیہ کا یہ کہنا مسلمانوں کو ہرگز مطمئن نہ کر سکے گا کہ ٹرکی کے ساتھ اس کی لڑائی مذہبی نہیں ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے یہ جنگ، مذہبی جنگ سمجھی جائے گی، لیکن ہاں اگر وہ شام، عراق، اور جزیرۂ عرب کی آزادی اور خود مختاری کی پوری پوری ضمانت دیدے۔ تو یہ خیال پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہی وہ ممالک ہیں جو اسلام کا اصلی وطن اور گہوارہ ہیں، انھیں میں حرمین شریفین، بیت المقدس، اور شیعوں کے نجف اشرف، کربلا، اور ائمہ اہلِ بیت کے مزارات ہیں، انھیں میں اموی و عباسی خلافتیں قایم ہوئیں، اور اسلامی تمدن و تہذیب برگ و بار لائی۔ اس کے علاوہ ہم نے بے شمار سیاسی و اقتصادی مصالح کی طرف بھی توجہ دلائی، جو ان ممالک کی آزادی سے برطانیہ کو پہنچتے، مگر افسوس ہے کہ ہماری پکار صدا الصحرا ثابت ہوئی۔ اور برٹش گورنمنٹ نے اس پر کان دھرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس شور و شغب کو کبھی اہمیت نہ دی جو یورپ کی تار برقیوں اور انگریزی اخبارات میں مچا کرتا تھا کہ برطانیہ عرب کا نجات دہندہ ہے، عنقریب اس کی سنگلاخ سرزمین جنت عدن بننے والی ہے، اور ہارون رشید و مامون رشید، کی عظمتِ رفتہ اسے پھر واپس ملنے والی ہے۔ بلکہ مصر کے ذمہ دار برطانوی حلقوں، اور "سر مارک سائکس" (جو ۱۹۱۵ء میں مسئلہ عرب پر غور کرنے کے لئے لندن سے بھیجے گئے تھے) سے گفت و شنید کرنے کے بعد ہمیں حق الیقین ہو گیا تھا کہ انگریز عربی ممالک پر دندان آز تیز کئے ہوئے ہیں، اور ہرگز کسی قسم کا تساہل برتنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے ہم پہلے بھی واقف تھے، اور "المنار" میں بارہا اسکی

طرف اشارے کر چکے تھے، مگر اس دوران میں پوری تصدیق ہو گئی۔ انگریزوں کو امید تھی کہ ترکوں کے مقابلہ میں ہم اُن کا ساتھ دیں گے، اور عربوں کو اُن کی دوستی کا یقین دلائیں گے، مگر بالآخر انھیں ہم سے مایوسی ہوئی، اور ہمیں اُن سے مایوسی ہوئی۔

برطانیہ اور امراء عرب

دورانِ جنگ میں برطانیہ نے اپنی پوری قوت سے عرب کے امراء اور سرداروں کو ترکی کے برخلاف اکسانا شروع کیا، امام یحییٰ نے تو قطعاً اُس کی پرواہ نہ کی، اور حسب معاہدہ ترکی کے وفادار اور معین و مددگار رہے۔ امیر نجد اور امیر عسیر اس سے متاثر ہوئے اور غیر جانبداری اختیار کر کے ترکی کی مدد سے انکار کیا، لیکن شریف مکہ پر اُس کا جادو پوری طرح چل گیا، جس نے پہلے حجاز کی آزادی اور انجمن اتحاد و ترقی کی مخالفت کا اعلان کیا، اور پھر برطانیہ کی "موالات" میں دولت عثمانیہ سے جنگ کی، اور شام و عراق کی فتح میں، انگریزوں کو جنگی مدد دی۔ شامیوں اور عراقیوں کو شریف کی موالات سے سخت دھوکہ ہوا، اور انھوں نے یقین کر لیا کہ اخبارات میں برطانیہ سے جو حسن ظن ظاہر کیا جا رہا ہے، اور خود جو وعدے اُس نے کئے ہیں، وہ حرف بحرف صحیح ہیں، اور ضرور ہے کہ وہ انھیں آزاد کرا دیگا۔ ایک طرف انگریز یہ چال چل رہے تھے اور دوسری طرف انجمن اتحاد و ترقی کی گورنمنٹ شام و عراق میں سختیاں کر رہی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں بددلی پھیل گئی اور وہ اس امید پر انگریزوں کے طرفدار ہو گئے کہ جنگ میں دول یورپ اور ترکی کی مشغولیت نے عرب کی آزادی کا بہترین موقعہ بہم پہنچایا ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ بے شک موقعہ تو نہایت عمدہ تھا اگر اُس سے فائدہ اٹھانے کی عربوں میں صلاحیت ہوتی اور ان میں ایسے رہنما موجود ہوتے جو سلطنت عثمانیہ کو تباہ کئے بغیر اپنی قوم کو آزاد کرا لیتے۔

حجاز کی بغاوت

برطانیہ کے ساتھ معاہدہ

شریف مکہ کی پہلی حرکت اُن حالات کا لازمی نتیجہ تھی جو قانونِ اجتماع کے ماتحت پہلے سے موجود ہو گئے تھے، اور اس حرکت کے متعلق کم از کم جو کہا جا سکتا تھا وہ وہی تھا جو ہم نے اُس کے آغاز ہی میں کہہ دیا تھا کہ وہ یا تو مفید ہوگی اور یا مضر نہ ہوگی۔ اور اُس سے بڑے سے بڑا جو کام لیا جا سکتا تھا، وہ یہ تھا کہ عرب کے تمام امرا باہم متحد ہو جاتے، اور اندرونِ ملک میں اتنی بڑی جنگی طاقت فراہم کر لیتے جو ٹرکی کی شکست کے وقت ملک کو اجنبی قبضہ و تصرف سے بچا سکتی کہ جس کا بچانا ہر ترکی، عربی، ہندی، افغانی اور اُن تمام لوگوں پر فرض ہے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ "جب میں مکہ میں تھا تو میں نے شریف کے سامنے یہی تجویز پیش کی تھی کہ امرائے عرب کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی جائے اور ایک متحدہ طاقت کے قایم کرنے کی کوشش کی جائے، ساتھ ہی میں نے اُسے جتا دیا تھا کہ وہ اپنی مخالفت کو صرف انجمن اتحاد و ترقی تک محدود رکھے، اور ترکی قوم، سلطنتِ عثمانیہ اور سلطان المعظم سے کسی قسم کی سرکشی نہ کرے، میں نے یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ یہ جنگی طاقت ہر حال میں نہایت سود مند ہوگی، اگر سلطنتِ عثمانیہ بازی ہار جائے گی تو ہم اپنی آزادی کی حفاظت کر سکیں گے، اور اگر وہ فتحیاب ہوگی (جیسا کہ ہر مسلمان کی تمنا ہے) تو ہم اُس سے اپنے حقوق منوا سکیں گے۔

لیکن شریف نے اس تجویز کی یہ کہہ کر مخالفت کی کہ "ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے، جب مدینہ فتح ہو جائیگا، تو میں امرائے عرب کو دعوت دونگا، ورنہ ابھی وہ سمجھیں گے کہ میں اُن کے خوف سے ایسا کر رہا ہوں، نہ کہ مصالحِ عامہ کے خیال سے"

اس کے جواب میں ، میں نے کہا کہ "دوسرے سر برآوردہ لوگ اس کام کے کرنے کے لئے آمادہ ہیں ، بشرطیکہ آپ کی جانب سے اس کی مخالفت نہ ہو"۔ لیکن اُس نے ایک نہ سُنی اور جب میں چلا گیا تو اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا "یہ کون لوگ ہیں ، جن کے ساتھ میں رشتہ اتحاد جوڑوں ؟ آج تو عرب میں یہ بھی امیر ہیں اور وہ بھی امام ہیں ، مگر کل معلوم ہو جائیگا کہ کون امیر ہے اور کون امام ہے" ! شریف نے یہ صرف زبان ہی سے نہیں کہا ، بلکہ بعد میں امیر ابن سعود سے جنگ کر کے عملاً دکھا دیا کہ وہ اصلاح کا کتنا بڑا حامی ہے ؟

شریف کی بغاوت جیسا کہ مذکور ہو چکا پیشتر صرف انجمن اتحاد و ترقی کے برخلاف تھی لیکن بعد میں جب اُس نے شاہ عرب کا لقب اختیار کیا ، (لیکن اس کے اتحادیوں نے اُسے صرف "شاہ حجاز" تسلیم کیا ہے) تو بغاوت کا رُخ پھر گیا ، اور اُس نے تمام ترکی قوم ، سلطنت عثمانیہ اور سلطان المعظم سے علانیہ برگشتگی اختیار کی ، اور اپنی پوری طاقت ان کے برباد کرنے میں لگا دی ۔ یہ حجازی بغاوت کا دوسرا دور تھا ، جو غائت درجہ مایوس کُن بلکہ مُہلک تھا ۔

شریف کا قصد تھا کہ خلافت کا بھی دعویٰ کرے ، اور جب میرے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو میں نے سخت مخالفت کی ، اور پوری تفصیل کے ساتھ اُن مشکلات و موانع کا ذکر کیا جو اس راہ میں پیش آئیں گے ، پھر اُن مفاسد کی بھی تشریح کی جو اس جرأت سے پیدا ہو سکتے تھے ، میں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ شریف کو کسی طرح بھی منصب خلافت کی اُمید نہ کرنا چاہیے ، کیونکہ وہ خود سلطان محمد رشاد کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہے ، اور صاف حدیث موجود ہے ، کہ "اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الاخر منہما" ۔ (جب بیک وقت دو خلیفوں کے لئے بیعت ہونے لگے ، تو جو خلیفہ آخر میں کھڑا ہوا ہو اُسے قتل کر دو) علاوہ ازیں تمام

دنیا کے مسلمان اسکی بغاوت وشورش سے سخت ناراض ہیں، اور کسی طرح بھی اُس کی خلافت تسلیم نہ کرینگے۔ اگر کہا جائے کہ حجاز کے مسلمانوں کی بیعت سے اس کی خلافت منعقد ہو سکتی ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اول تو حجازی اہل الحل والعقد نہیں ہیں کہ جن کی بیعت موثر ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ شریف کے ماتحت ومحکوم ہیں اور آزادی سے اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتے، اسلئے خود شریف کے لئے اُنکی بیعت حجت نہیں ہو سکتی۔

شریف کو مجھسے توقع تھی کہ حجاز کی بغاوت کا میں حامی ومددگار ہوں گا، اور بیشک میں ہوتا، اگر اُس کی روش اُس نہج پر ہوتی جو میرے خیال میں مناسب اور برحق تھا، چنانچہ چلتے وقت بھی میں نے اُس پر یہ بات ظاہر کردی تھی جس سے اُسے سخت مایوسی ہوئی، اور میرے رسالہ کا داخلہ حجاز میں روک کر اُس نے مجھسے انتقام لیا جس پر میں خدا کا از حد شکر گزار ہوں کہ اُس نے مجھے اُس تہمت سے بری الذمہ ثابت کر دیا جو مجھپر لگائی جاتی تھی کہ میں اس بغاوت کا حامی ہوں۔

شریف نے ترکوں سے کیوں جنگ کی؟ اور امرائے عرب سے کیوں لاپرواہی برتی؟ اس کا اصلی باعث وہ معاہدہ تھا جو برطانیہ نے اُس کے ساتھ کیا تھا، اور جسکی رو سے اُسکو حق الیقین ہو گیا تھا کہ عنقریب اُس کا جھنڈا، جزیرہ عرب کے باہر شام اور عراق کے مرغزاروں پر بھی لہرائے گا، اور وہ برطانیہ کی قوت سے ان وسیع ممالک کا شہنشاہ ہو جائے گا!۔

شریف کو برطانیہ اور اُس کی طاقت پر اس قدر بھروسہ واعتماد تھا کہ اُس کے خلاف وہ ایک لفظ بھی سننا نہ چاہتا تھا، اور نہ کسی قسم کی عقلی یا نقلی دلیل اُس پر موثر ہو سکتی تھی چنانچہ اخبار "القبلہ" میں اس کے متعلق اُس نے جو تحریریں شائع کرائی ہیں، وہ نہایت درجہ مضحکہ انگیز ہیں۔ اور پھر یہ نہیں ہوا کہ برطانیہ کی بے وفائی و سردمہری کی

وجہ سے اُس کے ایمان و ایقان میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہوتا، بلکہ وہ ہر حال میں اُسی پر ثابت قدم رہا، اور اُسی کا وظیفہ کرتا رہا جس سے بالآخر متاثر ہو کر برطانیہ اُس پر اور اُس کے بیٹوں پر نظرِ عنایت کی، جیساکہ آگے معلوم ہوگا۔

اس برطانوی معاہدے کو شریف نہایت رازداری سے رکھا کرتا تھا حتیٰ کہ اُسے اپنے بیٹوں تک سے چھپاتا تھا، اُس کی جگہ ایک نیلی تھیلی میں تھی، جس کے ساتھ اور بہت سے خفیہ کاغذات رہا کرتے تھے، اور یہ تھیلی اتنی احتیاط سے رکھی جاتی تھی کہ بجز شریف کے اور کسی کا ہاتھ اس کو نہ لگ سکتا تھا لیکن اتنی پردہ داری فضول تھی، کیونکہ بغاوت کے قبل ہی بعض برطانوی افسروں کی وساطت سے میں اُسے دیکھ چکا تھا، اور جب انھوں نے اُس کے متعلق میری رائے دریافت کی، تو میں نے درشتگی کے ساتھ کہا تھا کہ "اس معاہدہ کو جو پسند کرے، وہ یا تو عرب کا دشمن ہے، اور یا اُحمق ہے"۔ اس جواب سے ان کو بہت طیش آیا، اور غصہ سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا، مگر میں نے اسکی کوئی پرواہ نہیں کی، اور اس بارے میں اُن سے نہایت تلخ گفتگو کرتا رہا۔

اس معاہدہ میں قریب قریب وہی تھا جو امیر فیصل نے دمشق کے اخبار "المفید" میں شائع کرایا تھا، اُس میں حسب ذیل پانچ دفعات تھیں:۔

۱۔ مغربی شام کا علاقہ، عربی نہیں ہے، اور نہ اس معاہدہ میں شامل ہے، کیونکہ فرانس اُس کا مدعی ہے۔

۲۔ اس کے علاوہ باقی جتنے ممالک برطانوی حلقہ اثر میں ہیں، ان میں سے جن جن پر شریف کا قبضہ ہو جائیگا، برطانیہ اُن کی خودمختاری تسلیم کرے گا۔

۳۔ صوبہ بصرہ اُس سے مستثنیٰ رہے گا، اور انگریزوں کی ملکیت سمجھا جائیگا۔

۴۔ شریف کے ماتحت جتنے علاقے خودمختاری حاصل کرینگے، اُن میں جتنے

عہدہ داروں، مشیروں، اور منتظموں کی ضرورت ہوگی، وہ سب انگلستان سے بلائے جائیں گے۔

۵۔ شریف اُن تمام معاہدوں اور دستاویزوں کو تسلیم کرتا ہے، جو برطانیہ اور امرار عرب کے مابین پہلے سے موجود ہیں (اگرچہ اُس نے انھیں دیکھا بھی نہو) صرف یہ پانچ شرطیں اُس میں تھیں۔ اور اب میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا بعد کو اُس میں کچھ تغیر و تبدل ہوا یا نہیں، کہا جاتا ہے کہ شریف کے پاس اور بھی مخفی عہدنامے ہیں لیکن اسکی تصدیق کیونکر ہو؟ دنیا تو کاغذی عہدنامے نہیں دیکھتی، عمل دیکھتی ہے، شریف اور اسکے خاندان کا عمل اور اس کے جو نتائج ہیں، وہ معلوم ہیں۔

مصر میں شامیوں کے مشورے

اوائل جنگ میں اُن سربرآوردہ شامیوں کے متعدد اجتماع ہوئے، جو مصر میں مقیم تھے، تاکہ صلاح و مشورہ کے بعد شام کے متعلق کوئی فیصلہ کریں، میں بھی ان اجتماعوں میں شریک ہوتا رہا، اور اُن تمام کارروائیوں میں حصّہ لیتا رہا جو اُن میں ہوئیں لیکن افسوس ہے کہ تمام شرکا اس امر پر متفق تھے کہ جنگ میں اتحادیوں ہی کو فتح ہوگی اور وہ ملک شام پر ضرور قابض ہو جائیں گے، لہٰذا وہ اپنے سامنے صرف دو راہیں پاتے تھے۔ یا تو اپنے ملک کو کسی یورپین سلطنت کے ساتھ ملحق کردیں اور اُس کی جنسیت اختیار کرلیں، اور یا اُس کے ماتحت اندرونی خود مختاری کے لئے کوشش کریں۔ صرف میں ایک شخص تھا جو ان دونوں رائیوں کا مخالف تھا، اور کہتا تھا کہ اگر ٹرکی مغلوب ہو جائے تو ہمیں کامل خود مختاری کے حصول اور عربی سلطنت کے قیام کے لئے سعی کرنی چاہیے میرے دلائل و براہین سننے کے بعد ایک جماعت نے اپنے خیالات میں تبدیلی کی اور یہ تجویز پیش کی کہ بے شک شام کو خود مختار ہونا چاہیے مگر کسی

یورپین سلطنت کی سرپرستی میں اور اس کے افسروں کی نگرانی میں۔ لیکن خود میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی اسے منظور نہ کیا، کیونکہ اس صورت میں خود مختاری حقیقی نہیں بلکہ محض ظاہری ہوتی ہے۔ میرے لئے کسی اجنبی کی ماتحتی کا قبول کرنا قطعاً ناممکن تھا چنانچہ میں برابر جد وجہد کرتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگ پورے طور پر میرے ہمخیال ہو گئے، پھر مجلس شوریٰ کی ایک کمیٹی نے دو اسکیمیں مرتب کیں، ایک کامل خود مختاری کی تھی اور دوسری نیم خود مختاری کی، اور یہ دونوں اسکیمیں تمام ممبروں کے پاس غور وفکر کے لئے بھیجدی گئیں۔ میرے پاس جو کاپی آئی تھی، اُس پر میں نے یہ عبارت لکھدی تھی کہ تمام عقلاء و حکماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجنبی حکومت کی ماتحتی میں کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی اور نہ اجتماعی کمال تک پہنچ سکتی ہے، اجتماعی کمال سے مراد آزادی وخود مختاری ہے کہ جو اس دُنیا میں سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز متاع ہے، اور جس کے حصول کے لئے قومیں ہمیشہ پوری فیاضی سے جان و مال کی قربانیاں کرتی رہی ہیں موجودہ دور، قوموں کی تکوین کا دور ہے، اور ہر قوم کی یہی کوشش ہے کہ وہی سب سے بلند تر ہو، اور کوئی اُس کی ہمسری کا مدعی نہ ہونے پائے، یہ جذبہ یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ ہر قوم اپنے کو سب سے بڑا، اور دوسروں کو گرا کر خود آگے نکل جانے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر اسے عقل کیونکر باور کرسکتی ہے کہ یورپ کی مادہ پرست قومیں ایشیا کی کمزور قوموں کی دستگیری کرینگی اور قعرِ مذلت سے نکلنے میں اُنھیں مدد دیں گی؟ لہٰذا اہل شام پر جو تمام دُنیا کے عربوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ واجب ہے کہ اپنے کو اس درجہ گرائیں نہیں، اور غیروں کی ماتحتی قبول کرکے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کریں، کیا وہ اپنے کو یونان، بلغاریا، اور رومانیہ تک سے بھی زیادہ پست اور حقیر سمجھتے ہیں؟ اور کیا ان قوموں کے برابر بھی وہ آزادی کے لئے قربانی نہیں کرسکتے ہیں؟ پس مایوسی کا مقام نہیں ہے، ہمیں اپنے مقدور بھر پوری کوشش

کرنی چاہیے، اور آزادی کے لئے ہر طرح کی جدوجہد کرنی چاہیے جسمیں اگر کامیابی ہوئی تو مقصود حاصل ہوگیا، اور اگر ناکامی ہوئی تو دنیا ہمیں ملامت نہ کر سکے گی!!

اس معاہدہ کے ذریعہ سے عربی ممالک، انگلستان و فرانس کے مابین تقسیم ہوئے تھے اس کے مرتب کرنے والے، "سر مارک سائکس" ممبر پارلیمنٹ برطانیہ اور "مسیو جارج پیکو" سفیر فرانس (بیروت) تھے، اور جب اُن کی گورنمنٹوں نے اُس پر باہم اتفاق کرلیا، تو یہ دونوں وفد کی صورت میں مصر پہنچے، اور پھر جدہ گئے تاکہ وہاں کے شامیوں اور شریف مکہ کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ اپریل ۱۹۱۷ء میں انھوں نے شامیوں کی ایک انجمن قایم کی، جس میں چار یا پانچ مسلمان ممبر تھے، ایک "دروزی" تھا اور باقی تمام مسیحی تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل شام کو اس معاہدہ کے قبول کرنے کے لئے طیار کیا جائے اور اسکے ماتحت نظام حکومت قایم کرنے میں اُن سے مدد لی جائے۔ اندر ہی اندر یہ تمام کارروائیاں ہوتی رہیں مگر "سر مارک سائکس" نے ۱۹۱۵ء کی طرح اس مرتبہ نہ مجھسے کوئی گفتگو کی اور نہ کسی معاملہ میں مدد طلب کی، کیونکہ اب وہ میری جانب سے مایوس ہوچکے تھے۔ اُسی دوران میں مشہور ہوا کہ شامیوں نے مصر میں ایک انجمن قائم کی ہے تاکہ فرانس کو سواحل شام پر قبضہ دلانے اور اُس کے ماتحت اندرون ملک میں مسیحی حکومت قایم کرنے کی کوشش کریں۔

اُسی اثنا میں سر مارک سائکس کی جماعت کے ایک باخبر شخص نے مجھے اطلاع دی کہ خود سر مارک نے اُس سے کہا ہے کہ ہم نے شام کے تمام سواحل فرانس کے حوالہ کر دینے کا فیصلہ کرلیا ہے، کیونکہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ان پر مسیحیوں کا قبضہ رہ چکا ہے، اس لئے اب وہ مسلمانوں کے ماتحت چھوڑے نہیں جاسکتے۔ اس کے بعد جب سر مارک سائکس اور مسیو جارج پیکو جدہ میں شاہ حجاز سے ملکر لوٹے، تو اُسی شخص نے مجھسے بیان کیا کہ شریف حسین نے بھی سواحل شام پر فرانس کے قبضہ کو منظور کرلیا ہے۔

اس کے ایک ہفتہ بعد امیر فیصل کے ایک جنرل سے ملاقات ہوئی، اس سے بھی یہی کہا کہ شریف نے شام و عراق کے متعلق برطانیہ و فرانس کا فیصلہ منظور کر لیا ہے۔ پھر فیصل کے بعض خاص آدمیوں نے بتایا کہ شریف حسین کا وہ خط انھوں نے دیکھا ہے جو اس نے اپنے بیٹے امیر فیصل کو مسئلہ شام کے متعلق لکھا تھا، اور جسمیں یہ درج تھا کہ فرانس اسوقت تک ہمارے لیے سواحل شام کی حفاظت کرتا رہے گا جب تک عربی سلطنت کے پاس جنگی بیڑہ نہ ہو جائے اس زمانہ تک فرانس اس قبضہ کے معاوضہ میں ہمیں ایک معین رقم سالانہ دیا کرے گا۔

غرضکہ ۱۹۱۷ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اشارہ سے مصر میں شامیوں کی کئی انجمنیں تھیں، جن میں سے بعض کا مقصد یہ تھا کہ اہل شام کو ان دونوں کی ماتحتی قبول کرنے پر آمادہ کریں اور بعض کے ذمہ یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کو فلسطین میں یہودی نوآبادی کے قایم ہونے پر رضامند کریں۔ غنیمت ہے کہ اس قسم کی انجمنوں میں مسلمان زیادہ شریک نہ تھے، اور جو تھے، انھیں میں ہمیشہ بدترین نتایج سے خبردار کرتا، اور کروڑوں مسلمانوں کی لعنت سے ڈراتا تھا جو عنقریب ان پر پڑنے والی تھی۔

۲۰۔ فروری ۱۹۱۸ء کو انگریزوں کے ایک طرفدار شامی نے سر آوردہ شامیوں کو چائے کی دعوت دی، میں بھی مدعو تھا، لیکن یہ تقریب محض سیاسی تھی اور اس سے غرض ۱۹۱۶ء کے انگریزی فرانسیسی معاہدہ پر سب کی رضامندی حاصل کرنا تھی۔ چنانچہ چائے نوشی کے بعد ڈاکٹر نمر ایڈیٹر المقطم نے تقریر کی اور حاضرین سے کہا کہ "اتحادی سلطنتیں کہتی ہیں صلح کانفرنس میں ہم ملک شام کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے اگر اس کے سر آوردہ لوگوں میں بدستور اختلاف باقی رہا اور انھوں نے اپنے ملک کے مستقبل کے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ نہ کیا، لہذا اب ہمیں پورے اتحاد سے کام کرنا چاہیے اور یقین کرنا چاہیے کہ ترکوں سے نجات حاصل کرنے کا اس سے بہتر کوئی موقعہ ہاتھ

نہ آئیگا۔ ہمیں اتحادیوں پر کامل اعتماد کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں منزلِ مقصود تک ضرور پہنچا دینگے، اور اگر ان کے بعض اقوال و افعال سے شبہ بھی پیدا ہو تو اسکی پرواہ نہ کرنی چاہیے، کیونکہ اُن کی نیت بہرحال نیک ہے۔ یہ وقت مباحثہ و مناظرہ کا نہیں ہے ہمیں سب سے پہلے ترکوں کی غلامی سے آزاد ہونا ہے، اس کے بعد جب شامی شام میں، عراقی عراق میں، اور لبنانی لبنان میں آزاد ہو جائیں گے، تو ان ملکوں کے آئندہ انتظامات پر مفصّل گفتگو ہو جائے گی"۔

اس گفتگو کے بعد میرے لئے خاموشی ناممکن تھی، چنانچہ میں نے اُس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ مُقرر نے صلح کانفرنس میں اتحادیوں کی مدد کا تذکرہ کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ انھیں اتحادیوں نے ہمارے ملک کے حصّے بخرے کر لیے ہیں، اور وہ ہمیں غلام بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ معاہدہ ۱۹۱۶ء سے ظاہر ہے"۔ اس پر ڈاکٹر نمر نے اعتراض کے پیرایہ میں کہا۔ لیکن انھوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ ہمارے ساتھ نہایت خوش معاملگی اور نرمی کا برتاؤ کریں گے"۔ میں نے جواب میں کہا "اُس سے تو میرے قول کی مزید تصدیق ہو گئی کہ وہ ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ حکومت سخت نہیں، نرم ہو گی جس کی صورت شاید یہ تجویز کی گئی ہو گی کہ ہم پر کسی ملکی کو امیر یا بادشاہ بنا دیا جائے گا، اور اس کی آڑ میں ہوسِ ملک گیری پوری کیجائے گی۔ تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اس قسم کی حکومت ملک کیلئے سب سے زیادہ مضرت رساں ہوتی ہے، کیونکہ پبلک اس دھوکہ میں رہتی ہے کہ حکومت قومی ہے، حالانکہ پس پردہ دوسروں کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جو ہر طرح کے مظالم کرتے اور قومیت کے جذبہ کو بالکل فنا کر دیتے ہیں، جس کے بعد ترقی کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور محبانِ وطن کے لئے قوم کے جگانے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہتا۔ اس کی اگر زندہ مثالیں دیکھنا ہوں تو ٹونس اور ہندوستان میں جا کر دیکھ لیجئے۔ میں نے

ان ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کو دیکھا ہے جنھیں "خود مختار" کہا جاتا ہے لیکن ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ انھیں کو میں نے "غلامی کا دلدادہ" پایا حتیٰ کہ وہ آزادی کے معنی بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور نہ اس کی قدر و قیمت سے واقف ہیں۔ مجھے ہندوستان میں یہ بھی معلوم ہوا کہ دیسی راجہ مہاراجہ انگریزوں کے سب سے زیادہ فرمانبردار اور مطیع ہیں، اور ان کے جملہ مظالم برداشت کرنے پر ہمیشہ طیار رہتے ہیں۔ برخلاف اس کے برطانوی ہند کے باشندے کہیں زیادہ سمجھدار ہیں، گورنمنٹ کے مقابلہ میں جدوجہد کرتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ اپنی سعی و ہمت سے بہت جلد آزاد ہو جائیں گے۔

یہ بھی کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے کہ اتحادی دنیا کو آزادی بخشنے کے مدعی ہیں حالانکہ وہی غلامی کے علم بردار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم تمھیں آزاد کرانے کے لیے آئے ہیں، معلوم نہیں کس رسّی میں باندھکر ہمیں آزادی کی جنت میں لے جائیں گے؟ قومیں کب آزادی کے لئے مانگی گئی ہیں؟ آزادی تو ہمیشہ خون بہا کر حاصل کیجاتی تھی پھر ہم غلامی کے طوق پہن کر کس طرح آزاد ہو جائیں گے؟ یہ لوگ دن کو رات اور رات کو دن کہنے کے عادی ہیں، غلامی کا نام آزادی رکھتے ہیں، اور آزادی کو غلامی بتاتے ہیں، وہ ہم سے ہمارا ملک مانگتے ہیں، اور اس کے معاوضہ میں میٹھے میٹھے الفاظ بول کر ہمیں خوش کرنا چاہتے ہیں، مانا کہ ان کی حکومت نہایت ہی نرم اور عمدہ ہوگی، مگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں منظور نہیں، کیونکہ ہم کامل آزادی خود مختاری چاہتے ہیں نہ کہ نرم اور اچھی غلامی! یاد رکھنا چاہیئے کہ ترک لاکھ ظالم ہوں، مگر جاہل ہیں، اور ہم اگر چاہیں تو ان سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ انھیں ظلم کرنے کا بھی پورا سلیقہ نہیں ہے، برخلاف اس کے یورپین قومیں ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں، اور ان کے پنجہ میں ایک مرتبہ پڑ جانے کے بعد رہائی تقریباً محال ہے، لہذا ہمیں

پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیئے، اور کسی کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا چاہیئے"

یہ مجلس میری تقریر پر ختم ہو گئی اور کوئی بات طے نہ ہونے پائی، اس کے آٹھ دن بعد ایک برطانوی افسر نے مجھ سے حسب ذیل گفتگو کی۔

افسر۔ ملک شام کے متعلق پیرس میں جو کارروائی ہوئی ہے اور سر مارک سائکس نے جو تقریر کی ہے، اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟۔

میں۔ تمام شامی عموماً اور مسلمان خصوصاً اس سے سخت ناراض ہیں۔

افسر۔ یہ عجیب بات ہے! اس سے تو مقصود اہل شام کو مطمئن کرنا تھا۔ سر مارک نے حجاز کی کامل خود مختاری کی تو صاف الفاظ میں تصریح کر دی ہے، پھر حجاز کی خود مختاری کے بعد شام کی خود مختاری میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟۔

میں۔ یہ ایک غور طلب معاملہ ہے، خصوصاً اس تصریح کی وجہ سے کہ انگلستان و فرانس شام کی تقسیم پر متفق ہو گئے ہیں!

افسر۔ لیکن یہ تصریح بھی تو موجود ہے کہ یہ دونوں اس پر حکومت کرنا نہیں چاہتے،

میں۔ ملک بٹ گیا، اور پھر یہ کہ حکومت کرنا نہیں چاہتے!

افسر۔ یہ تقسیم محض اقتصادی ہے نہ کہ سیاسی، اور فرانس کے وزراء نے قطعی طور پر کہہ دیا ہے کہ ان کی گورنمنٹ عربی ممالک کی ایک انچ زمین بھی فتح کرنا نہیں چاہتی، اور نہ عربی قوم کو اپنی اطاعت پر مجبور کرنا چاہتی ہے، اس کی خواہش صرف اس قدر ہے کہ شام کی دوستانہ امداد کرے۔

میں۔ یہی باتیں تمام متحارب سلطنتیں کہہ رہی ہیں تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں، اور جب کسی ملک کے باشندے دھوکہ کھا کر ان سے طالب امداد ہوں تو انسانیت، آزادی، اور عدل و انصاف کے نقارے بجاتی ہوئی ان ممالک پر مسلط ہو جائیں!

افسر۔ اس وقت ہماری فوج فلسطین میں ہے، اور ممکن ہے کہ بہت جلد دمشق پر قابض ہو جائے آپ جانتے ہیں کہ تمام ملک فقر وفاقہ کی مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور اس کے اکثر سر برآوردہ آدمی یا تو جلاوطن کر دیئے گئے ہیں اور یا از خود باہر چلے گئے ہیں، ایسی صورت میں اگر ترکوں کے نکالنے کے بعد ہم بھی ملک سے چلے جائیں تو اس کی کیا حالت ہوگی؟ اور کیا سخت بدنظمی وطوالف الملوکی شروع نہ ہو جائیگی؟ میں۔ جس بدامنی کے خطرہ سے اتحادی شام کو نہیں چھوڑ سکتے، وہ روس میں بالفعل موجود ہے، حتی کہ کسی کی جان ومال وآبرو محفوظ نہیں ہے، پھر قیام امن کے لئے جرمن فوجوں کا وہاں رہنا تمھیں کیوں نامنظور ہے؟ حالانکہ پڑوس کی وجہ سے روسی بدامنی کا جرمنی میں منتقل ہونا بہت محتمل ہے۔

اس پر وہ خاموش ہو گیا، اور صحبت ختم ہو گئی۔

(دورانِ جنگ میں مصر کے شامیونکی حالت)

تمام زمانۂ جنگ میں مصر میں رہنے والے شامیوں کی حالت نہایت مایوس کن تھی، انمیں سے اکثر اتحادیوں کی انگلیوں پر ناچتے اور انھیں کے مقاصد کی تکمیل کرنے کیلئے کوششیں کرتے تھے، افسوس کہ ہمارے اکثر رفقا نے خیانت کی حالانکہ انھوں نے ہم سے نہایت تاکیدی وعدے کئے تھے اور سخت قسمیں کھائی تھیں کہ عربی ممالک کی آزادی کے لئے پوری سعی کریں گے اور ہرگز کسی اجنبی حکومت کو قبول نہ کریں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ شامیوں کی کسی جماعت نے بھی سچائی اور ثابت قدمی کے ساتھ آزادی کے لئے کوشش نہ کی، اگرچہ اُن کی انجمنیں بہت سی تھیں، اور بعض اپنے کو "انجمن استقلال" کہتی تھیں، مگر ان کی دوڑ غلامی ہی کی طرف تھی۔ اور اس "انجمن استقلال" کی حالت تو یہ تھی کہ خود اس کے دو بانی

(جیساکہ انھوں نے مجھسے اعتراف کیا ہے) انگریزوں کی ہدایت پر عریش کے راستہ سے شام گئے تاکہ وہاں کے عربوں سے ترکوں کے برخلاف بغاوت کرائیں، اور یہی انجمن استقلال" تھی، جس نے انگریزوں کو مشورہ دیا تھا کہ شام میں تمام کارروائیاں شریف کے نام سے کی جائیں اور اُسی کے جھنڈے کے نیچے عربوں کو ترکوں سے لڑایا جائے ورنہ کامیابی نہ ہوگی اور عراقیوں کی طرح وہ بھی مخالف ہوجائیں گے، اور خود انگریزوں سے جنگ کریں گے۔

(پریسیڈنٹ ولسن کے نام یادداشت آزادی)

شامیوں نے جماعتی طور پر جو سب سے پہلی سعی خود مختاری کے لئے کی، وہ اس یادداشت کی صورت میں تھی جو پریسیڈنٹ کے پاس بھیجی گئی تھی، اس پر میرے اور بعض دوسرے سربرآوردہ لوگوں کے دستخط تھے، اور اس میں نہایت صفائی کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ ممالک شام و عرب کامل خود مختاری چاہتے ہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی بات بخوشی منظور نہ کرینگے، نیز یہ بھی درج تھا کہ اگر وہاں کے باشندوں سے استصواب رائے کیا جائیگا، اور وہ جواب دینے میں آزاد ہوں گے تو سب یہی کہیں گے اور ہماری تصدیق ہوجائے گی، چنانچہ جب امریکن کمیشن نے آکر تحقیقات کی تو اس یادداشت کی سچائی ثابت ہوگئی۔

سات آدمیوں کا معاہدہ

اس تاریخی بیان میں اُس معاہدہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے "جو سات آدمیوں کے معاہدہ" کے نام سے مشہور ہے اور جس کا بہت کچھ چرچا شامی اخبارات میں ہوچکا ہی اسکی حقیقت یہ ہے کہ روس کے ہتھیار رکھنے کے بعد جرمنی نے خشکی کی راہ سے ممالک عثمانیہ میں ایک زبردست فوج روانہ کرنے کا ارادہ کیا تھا جس سے انگریزوں کو خطرہ ہوا تھا کہ شاید یہ فوج عراق آرہی ہے، اسی کے روکنے کے لئے انھوں نے اپنے

خیر خواہ سات شامیوں کی ایک جماعت بنائی تھی، تاکہ وہ عربوں کی ایک فوج مرتب کریں۔ ساتھ ہی وعدہ کیا تھا کہ یہ عربی فوج ٹرکی کے جتنے ممالک پر قبضہ کر لیگی، وہ خود مختار تسلیم کر لیے جائیں گے۔ لیکن جب جرمن خطرہ دور ہو گیا تو انگریزوں نے بھی خاموشی اختیار کی۔

جنگ کے بعد۔ اب تک اتحادیوں کی اُن کارروائیوں کا تذکرہ تھا جو وہ دوران جنگ میں عربی ممالک پر قبضہ کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ اُس زمانہ میں اُن کی پالیسی خوشامد آمیز فریب دہی پر مبنی تھی، چنانچہ وہ عربوں سے ہمیشہ یہی وعدہ کیا کرتے کہ "ہم تمھیں ظالم ترکوں کی غلامی سے نجات دلانا چاہتے ہیں"، اور اس ذریعے سے خود اپنا غلام بنانے کے لئے اُن سے کام لیتے تھے، حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ترکوں نے کبھی کسی قوم کو غلام نہیں بنایا، نہ کسی کا مال و متاع لوٹا، نہ کسی کی مذہبی اور شخصی آزادی سلب کی، نہ ظلم و عدوان کے ساتھ رعایا پر ٹیکس باندھے بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ان تمام اتحادی سلطنتوں سے کہیں زیادہ اچھے تھے اور اپنی رعایا کے ساتھ آزادی و نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ اور اگر انجمن اتحاد و ترقی کی آخر زمانہ میں کج روی اور سلطان عبدالحمید کی دیوانگی نہ ہوتی تو ترکوں کے تمام گناہ سلبی ہوتے اور ایک بھی ایجابی نہ ہوتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ترک آباد کرنے والے نہیں ہیں، رعایا کو علوم و فنون سے ترقی دینے والے نہیں ہیں، اور زمین کی اصلاح و درستگی کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہ کہتا کہ ترک ظالم ہیں، قزاق ہیں، سفاک ہیں، اور قوموں کو غلام بنانے والے ہیں!

جنگ کے بعد شام میں جو کچھ ہوا، وہ سب کو معلوم ہے، لیکن بہت سے ایسے مخفی راز ہیں جو ابتک سربمہر ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کا پردہ فاش کریں تاکہ دنیا کو اصل حقیقت بے نقاب نظر آجائے:۔

مسٹر لائڈ جارج سے خطاب۔ ابتدا سے ہم برابر برطانیہ کو نصیحتیں کرتے

اور انجام کار بتاتے رہے، ہماری سب سے آخری نصیحت اُس یادداشت کی صورت میں تھی جو ہم نے اب سے دو سال پہلے مسٹر لائڈ جارج کو بھیجی تھی، اُس میں ہم نے بتایا تھا کہ برطانیہ کو جس بات سے ہم ڈرایا کرتے تھے بالآخر وہ واقع ہو گئی، اور مسئلہ عرب کے متعلق اس کے طرز عمل نے عراق، شام، مصر اور ہندوستان میں اس کے لئے کانٹے بو دئے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اسلامی میراث کو اپنے اتحادیوں میں بانٹ کر برطانیہ سخت نقصان اُٹھائے گا، تمام مشرقی دنیا اس کی دشمن ہو جائے گی، اور سارا یورپ اُس پر حسد کریگا۔ تیس کروڑ مسلمانوں کی عداوت سے برطانیہ کو بے پرواہ نہ ہونا چاہیے، کیونکہ مسلمان لاکھ کمزور ہوں، مگر بیماری کے جراثیم سے زیادہ کمزور نہ ہوں گے! برطانیہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ عنقریب مسلمان اتحاد اسلامی قایم کرلیں گے، روس و جرمنی انکی پشت پناہی پر ہوں گے، اور تینوں کا یہ جتھا برطانیہ سے ایسے وقت میں ٹکرائیگا جب وہ اپنی بہت سی اندرونی و بیرونی مشکلات میں گھرا ہوگا اور یورپ کی طاقتور قومیں اس پر ٹوٹ رہی ہوں گی! پس برطانیہ کی بہتری اسی میں ہے۔ کہ عالم اسلامی کے ساتھ اتحاد قایم کرے جسکی صورت بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ عربی اور دیگر مشرقی قوموں کے غلام بنانے سے دستکش ہو جائے۔ ....

اسی قسم کی نصیحتیں ہم نے فرانس کو بھی کی تھیں جنھیں مسیو روبیر ڈو کی سکرٹری جنرل گورو نے بہت پسند کیا، لیکن یہ کہہ کر انھیں ٹال دیا کہ یہ نہایت غور طلب معاملہ ہے اور جب تک اس پر کامل بحث نہ ہو جائے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

امیر فیصل شام میں

شریف حسین اور امیر فیصل کی طبیعتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اول الذکر کی فطرت میں کچھ ایسی خشونت ہے کہ انسان آسانی سے اُس کے اندرونی خیالات

معلوم کر سکتا ہے، اور یہ کہ وہ کس بات کو پسند کرتا ہے اور کسے ناپسند۔ لیکن امیر فیصل کے اندرونی خیالات کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ اس کی طبیعت میں بہت زیادہ لوچ ہے، صحبت پر لطف ہوتی ہے، مخاطب کی مخالفت کم کرتا ہے، اکثر ہاں میں ہاں ملایا کرتا ہے اور ہرگز کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہونے دیتا جس سے مخاطب کی دل شکنی ہو۔ الّا یہ کہ جب اُسے غصہ آجاتا ہے، اور بہت جلد آجاتا ہے، تو وہ بے قابو ہوجاتا ہے، لیکن یہ حالت جلد دور بھی ہوجاتی ہے، اور وہ پھر فوراً پرسکون ہوجاتا ہے۔ میرا اُس سے چھ ماہ تک سابقہ رہا ہے، تقریباً روزانہ ہی ملاقات ہوتی تھی، اور گھنٹوں گفتگو ہوا کرتی تھی، لیکن باوجود کوشش کے بھی میں نے اُس کا کوئی سیاسی عقیدہ نہیں پایا، بجز اس عقیدہ کے۔ کہ "فرانس و انگلستان کو عربی ممالک سے خارج نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان میں سے کسی ایک کی مدد و حمایت حاصل کرنی اور اس کی سرپرستی میں ملک کی ترقی کی کوشش کرنی چاہیئے"۔ لیکن اس بات کو بھی وہ کھول کر نہ کہتا تھا، بلکہ مبہم اور پیچیدہ الفاظ میں اُسے ظاہر کرتا تھا۔ اور اُسی پر کیا موقوف ہے، اتحادیوں کے تمام پروردہ شامیوں کی اُس وقت یہی روش تھی، وہ اور "فیصل و عبداللہ" دونوں یکساں ہیں، اگرچہ وہ ملک کے خائن اور یہ اس کے نجات دہندہ کہے جاتے ہیں۔

۱۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو جب امیر فیصل فرانس سے اس کی حکمبرداری نرم شرائط پر قبول کرکے شام واپس آیا، تو وہ اس گھمنڈ میں تھا کہ میں ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیکر لوٹا ہوں، لیکن شام میں اس کی اس حسنِ خدمت کو کسی نے بھی نہ سراہا اور برسر اقتدار پارٹی نے اس نرم حکمبرداری کی بھی مخالفت کی جس پر اُس نے اپنی ایک خاص پارٹی طیار کی، مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور آزادی خواہ پارٹی بدستور برسرِ اقتدار رہی، حتیٰ کہ خود فیصل کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا، چنانچہ اِسی پارٹی نے اُسے یورپ جانے سے روک دیا، اعلان آزادی پر اسکے دستخط کرائے، اور اُسے ساتھ رکھنے

کے لئے بادشاہ بنایا اور بادشاہت اس کے خاندان میں موروثی قرار دی جس وقت شام کی آزادی کا اعلان کیا گیا ہے، اِس کے مرتب کرنے والے کسی بات سے ناواقف نہ تھے اور انھیں تمام مخفی حالات معلوم ہو چکے تھے حتیٰ کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امیر فیصل جسے وہ بادشاہ بنا رہے ہیں، اتحادیوں کا پروردہ ہے، اور شام اس لئے آیا ہے کہ مشرقی حصہ میں اس وقت تک امن وامان قایم رکھے جب تک اتحادی دوسرے جھگڑوں سے فراغت نہ پا جائیں، چنانچہ انگریز اسے باقاعدہ تنخواہ اور بندرگاہ حیفا کی جنگی رقم میں سے ایک معین رقم دیا کرتے تھے۔ اسی طرح فرانسیسی بھی بیروت کی ٹیکس کا ایک حصہ اُسے اُس وقت تک دیتے رہے جب تک انگریزوں کی حمایت میں اُس نے علانیہ طور پر اس کی مخالفت نہ شروع کردی۔ اعلان آزادی مرتب کرنے والوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ فیصل نہایت کمزور طبیعت کا آدمی ہے، کامل خود مختاری کی جانب سے مایوس ہے، اور انگلستان و فرانس کی انگلیوں پر ناچتا ہے، لیکن پھر بھی انھوں نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا، اور اُسی کے نام پر آزادی کا اعلان کیا۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ بجز اس کے چارہ کار نہ تھا، اگر اتحادیوں کے کسی دشمن کو بادشاہ بنایا جاتا تو وہ کہتے کہ شام بھی ہمارا دشمن ہے، اور اس طرح انھیں اس کے پامال کرنیکا اور زیادہ موقع مل جاتا، لیکن ان کے ایک آوردہ کو بادشاہ بنانے اور اس کے ماتحت خود مختار حکومت قایم کرنے کی صورت میں اس کا اندیشہ کم تھا، ہم لوگوں کو امید تھی کہ اس صورت میں اگر کامیابی ہوگئی تو مقصود حاصل ہو گیا، اور اگر نہ ہوئی تو ملامت ہمارے سر نہ ہوگی، بلکہ خود اتحادیوں کے سر ہوگی، اور ملک پر ان کا قبضہ بین الاقوامی قوانین اور معاہدہ صلح کے خلاف ہوگا، کیونکہ اُس میں تصریح کردی گئی ہے کہ جن ممالک پر حکمبرداری قایم ہوگی انھیں حکمبردار طاقت کے انتخاب اور اپنے یہاں حسب مرضی نظام حکومت قایم کرنے کا حق ہوگا، اسی لئے اس نہج پر شام کی آزادی کا عجلت کے ساتھ

اعلان کر دیا گیا تاکہ اگر اتحادی زبردستی کریں تو ہمیں جدوجہد کرنے کا موقعہ باقی ہے، اور ہم انھیں غاصب ثابت کریں، ورنہ دوسری صورت میں وہ اپنے قبضہ کو جائز قرار دیتے اور ہمیں مخالفت کرنیکا کوئی حق نہ ہوتا۔

اعلان آزادی کے بعد کیا ہوا

شام کی خود مختاری کا اعلان بے نظیر جوش و خروش کے ساتھ کیا گیا، اور اسکی اطلاع سرکاری طور پر دول یورپ و امریکہ کو کر دی گئی، لیکن اتحادیوں نے اسے قابل غور قرار دیا۔ انگلستان کا جواب امیر فیصل کے پاس آیا، جس میں لکھا تھا کہ برطانیہ اسے ایک خود مختار حاکم تسلیم کرتی ہے، لیکن باضابطہ طور پر ضروری باتیں ایک کانفرنس میں طے ہونگی اس لئے اسے "سان ریمو" کانفرنس میں آنا چاہیے۔ فیصل سفر یورپ میں متردد تھا، کیونکہ ملک کی عام رائے اس کے خلاف تھی اور شامی کانگریس بھی مخالف تھی اور اسے ایک زبردست فوج کے بنانے پر مجبور کر رہی تھی، مگر آخر میں سب رضامند ہو گئے، اور امیر کا یورپ جانا طے ہو گیا، چنانچہ ۸۔ جولائی کو اس نے جنرل گورو کو لکھا کہ اس کے لے جانے کے لئے کسی جہاز کی تعین کرے۔ اس کے جواب میں ایک یادداشت پہنچی، جس میں چند مطالبے کئے گئے تھے، اور سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ "ریاق، حلب ریلوے" کو فرانسیسی فوجوں کی نقل و حرکت اور سامان جنگ کی بار برداری کے لئے مباح کر دیا جائے، ساتھ ہی تنبیہ بھی کر دی کہ اگر ان مطالبات کے منظور کرنے سے پہلے وہ کسی اور طرح یورپ چلا جائے گا، تو فرانس اپنی کارروائیوں میں آزاد ہو گا۔

جنرل گورو کا الٹیمیٹم

پھر ۱۴۔ جولائی کو جنرل گورو نے اپنا مشہور الٹی میٹم بھیجا، اس میں پانچ مطالبے

کیے تھے :- شام پر بلا کسی قید و شرط کے فرانس کی حکمبرداری مانی جائے، ریاق حلب ریلوے کو فرانسیسی سپہ سالار کے حوالہ کر دیا جائے، جبری فوجی بھرتی موقوف کر دی جائے، تمام فوج منتشر کر دی جائے، اور ان تمام مجرموں کو سزا دی جائے جنھوں نے ٹولیاں بنا کر فرانس سے جنگ کی ہے اور اس کے خلاف ملک کو ابھارا ہے، فرانس کے وہ بنک نوٹ تسلیم کیے جائیں جو اس نے شام کے لیے بنائے ہیں۔

۱۸ جولائی کی آدھی رات تک جواب آجانا چاہیے۔

امیر فیصل ان مطالبات کا بطور خود کوئی جواب نہ دے سکتا تھا، اس لیے کہ ملک کی عام رائے، شامی کانگرس اور تمام سیاسی پارٹیاں اس سے اور اس کی حکومت سے ناراض ہو گئی تھیں، کیونکہ اس نے باوجود ان کے سخت اصرار کے بھی مدافعت کے لیے جنگی تیاریاں نہ کی تھیں، چنانچہ اسے مجبور کیا گیا کہ "علی رضا پاشا رکابی" کی وزارت شکست کرے، جس کے بعد "ہاشم بک اتاسی" کی وزارت قائم ہوئی، مگر وہ بھی فیصل کی کمزوری کی وجہ سے نااہل ثابت ہوئی، جنرل گورو کے الٹیمیٹم کی خبر جب پبلک کو ہوئی اور اس نے امیر فیصل کی بدحواسی دیکھی تو وہ سخت برہم ہوئی، لوگ علانیہ اسے گالیاں دینے لگے، اور اسے قتل کر ڈالنے پر تل گئے جس سے وہ اور گھبرایا اور مجبور ہوا کہ حجازی فوج کو اپنے محل کے گرد جمع رکھے، الٹی میٹم کے جواب میں اس نے جنرل گورو کو لکھا، کہ مطالبات ذرا ہلکے کر دے، جسے اس نے نامنظور کر دیا۔

۱۷ جون کو وزیر اعظم نے مجھے لکھا کہ امیر آپ سے اور کانگرس کے تمام ممبروں سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، چنانچہ ہم سب جا کر اس سے ملے، تمام وزرار بھی موجود تھے، امیر نے ملک کی خطرناک حالت کی تشریح کی، عوام کے جاہلانہ جوش کی شکایت کی، اور انگلستان کی بے وفائی کا شکوہ کیا کہ عین وقت پر اس نے ساتھ چھوڑ دیا، اور محمد بک رستم کے ذریعے اطلاع مل گئی ہے کہ برطانیہ ادنیٰ مدد کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے

ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میری گورنمنٹ پر جنرل گورو کی بہت سی زیادتیاں ہیں، جنھیں میں یورپ تک پہنچا نہیں سکتا، اور میری گورنمنٹ کی بھی کچھ زیادتیاں ہیں جنھیں وہ بڑھا چڑھا کر مشہور کر سکتا ہے۔ پھر امیر نے ہم سب کو سخت فریب دینا چاہا، اس نے کہا کہ ہر شخص اپنی رائے بند لفافے میں مجھے بھیج دے اور عہد کیا کہ کسی کو یہ تحریریں دکھائی نہ جائیں گی۔ لیکن ہم میں سے کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا کیونکہ وہ تمام ذمہ داری ہمارے سر ڈال دیتا کہ ہم میں سے ہر شخص نے جنرل گورو کے مطالبات منظور کرنے کی اُسے صلاح دی تھی۔

۱۹۔ جولائی کو شامی کانگرس نے اپنا باضابطہ جلسہ کیا اور ہزارہا آدمیوں کی موجودگی میں اعلان کیا "اسی کانگرس نے شام کی آزادی، اس کی عدم تقسیم، یہودی نوآبادی کی مخالفت اور امیر فیصل کی بادشاہت کا اعلان کیا تھا اور اسی کے مطابق سب کچھ ہوا، اب ملک کی جو حکومت اس کے اعلان میں سے کسی ایک چیز کو بھی شکست کرے گی۔ اُس نے گویا پورا اعلان باطل کر دیا، اور یہ کہ جو حکومت اجنبی حکمبرداری قبول کرے گی وہ شام کی قانونی حکومت نہ رہے گی، اور تمام وہ معاہدے نغو ہوں گے جنھیں یہ کانگرس منظور نہ کرے گی"! یہ اعلان پمفلٹ کی صورت میں ہزارہا کی تعداد میں شائع کیا گیا اور تمام ملک میں پھیلا دیا گیا۔

۲۰۔ جولائی کو امیر فیصل نے کانگرس کو دو ماہ کے لئے اس حجت سے بند کر دیا کہ جب ملک حالت جنگ میں ہوتا ہے تو تمام قایم مقام جماعتیں خاموش ہو جاتی ہیں اور سارا نظم و نسق جنگی حکومت کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ کانگرس کے بعض ممبروں نے اس حکم کے برخلاف اٹھنا چاہا مگر میں نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس طرح خاموش کر دئے جائیں، ورنہ ذمہ داری سر پر پڑے گی، کیونکہ گورنمنٹ نے مدافعت کے لئے مطلق کوئی طیاری نہیں کی ہے، بادشاہ ملک کے خلاف ہے؛

اب کوئی چارہ بجز اس کے نہیں ہے کہ گورنمنٹ کو شکست کریں، بادشاہ کو معزول کریں اور کسی دوسرے شخص کو عارضی طور پر حاکم بنا کر مدافعت کریں مگر کوئی اس کی اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم ہم سے خوش ہے، اور ہم سے بڑی بڑی امیدیں لگائے ہوئے ہے، مگر ہم ایسے موقعہ پر کیا کر سکتے ہیں، اس لئے کانگریس کی یہ موقوفی بہرحال بہتر ہے۔"

غرضکہ کانگریس برخاست ہو گئی اور امیر نے جنرل گورو سے گفتگو شروع کی، مگر اس نے اپنے مطالبات سے ایک انچ بھی ہٹنا منظور نہ کیا جس پر امیر نے سب سے پہلے فوجوں کو بلا کسی انتظام و ترتیب کے منتشر کر دیا، اور "مجدل عنجر" کی قلعہ بند گھاٹی کو خصوصیت کے ساتھ خالی کر دیا، حالانکہ وہی فرانسیسی فوج کی راہ میں حائل تھی اور اسی کے ذریعے سے روکا جا سکتا تھا، اس کارروائی پر دمشق میں سخت ہیجان رونما ہوا، ہر طرف شورش برپا ہو گئی، اور لوگوں نے امیر فیصل اور اس کے باپ کو علانیہ خائن کہنا شروع کیا اور اس کے قتل کے درپے ہوئے جس پر امیر نے فوج سے کام لیا اور مشین گنوں سے شورش فرو کر دی، اس ہنگامہ میں بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔

اس کے بعد امیر فیصل اور اس کی گورنمنٹ نے فرانسیسیوں کے تمام مطالبات منظور کر لئے، اور اس طرح شامی کانگریس کے مذکورہ بالا اعلان کی رو سے اپنے کو معزول کر لیا۔ ادھر جنرل گورو نے اپنی فوجوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ اور امیر کے احتجاج پر کہا کہ چونکہ الٹی میٹم کا جواب وقت گزر جانے کے بعد پہنچا ہے۔ اس لئے دمشق پر قبضہ کر لینا ضروری ہے۔

فیصل اور اس کے وزراء کو جب یہ معلوم ہوا کہ مطالبات کے منظور کر لینے کے بعد بھی فرانس انھیں چھوڑنے والا نہیں ہے تو وہ سخت پریشان ہوئے، کیونکہ یہ حرکت انھوں نے اس خیال میں کی تھی کہ فرانس کی غلامانہ حکمبرداری کے ماتحت عیش سے رہیں گے اور دمشق میں حکومت کریں گے، لیکن جب یہ سفیہانہ منصوبے خاک میں مل گئے، تو لگے مدافعت کی تیاریاں کرنے، چنانچہ بقیہ فوج کو منتشر ہونے سے روک دیا گیا اور مقام

"خان میسیلون" میں یہ غیر منظم چھوٹی سی فوج فرانس کی یلغار کے روکنے کو کھڑی ہوئی، لیکن اب اُسے کون روک سکتا تھا، چند گھنٹوں میں اُس نے شامی فوج کی دھجیاں اڑادیں اور ہوائی جہازوں نے اُسے تتر بتر کر دیا۔

۲۲- جولائی کو امیر فیصل وزارت جنگ میں گیا، متطوع فوج میں تقریر کی اور اُسے جہاد کے لئے اکسایا، پھر اسی وقت اُس نے تمام سربرآوردہ آدمیوں اور سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ اُس نے باضابطہ اعلانِ جنگ کر دیا ہے اور سرکاری اخبار میں شائع کرا دیا ہے، پھر نماز جمعہ جامع اموی میں ادا کی اور منبر پر سے حاضرین کو خطبہ دیا اور جہاد کی دعوت دی۔ لوگوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، مگر اب اتنا وقت کہاں باقی تھا کہ نئی فوج طیار کی جاتی۔

جمعہ کی شام کو فیصل بمقام "ہامہ" گیا اور اُسے اپنا جنگی مرکز قرار دیا، لیکن دوسری طرف اپنا ذاتی مال و اسباب اور سرکاری کاغذات "درعا" کو روانہ کر دئے، سنیچر کی شام کو وہ مع اپنے وزرار اور مصاحبوں کے "کسوۃ" کے اسٹیشن کو روانہ ہو گیا، اور پھر یہاں سے اس نے اپنے مصاحب خاص "جمیل بک" کو جنرل گورو کے پاس بھیجا تاکہ دمشق میں فرانسیسی فوج کے داخل ہونے کی ترتیب کے متعلق بات چیت ہو جائے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ فرحان و شادان مسیو کوس کے ساتھ موٹر کار میں واپس آ گیا۔

اتوار (۲۵- جولائی) کے دن فیصل کے سپہ سالار نوری پاشا سعید سے میری ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ آج رات کو ۹ بجکے ۱۰ منٹ پر فرانسیسی دمشق میں داخل ہونگے، اور امیر ۱۰½ بجے آئے گا۔ لیکن وہ اتوار کے بجائے دوشنبہ کی رات میں دمشق پہنچا، اور فرانس کے طرفداروں کی وزارت مرتب کی جس کا صدر علاء الدین بک دروبی تھا۔ دوشنبہ کی صبح کو نوری پاشا نے مجھے خبر دی، کہ جنرل گورو نے اس وزارت کو تو تسلیم کر لیا ہے، لیکن امیر فیصل کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، سہ شنبہ کے روز جنرل گورو نے

امیر فیصل کی آخری امیدوں کا بھی خاتمہ کر دیا، اور اُسے ہدایت کی کہ آج نصف شب سے پہلے ہی وہ شام سے نکل جائے، اُسی وقت میں نے اُس سے ملاقات کی تو اُسے متین اور سنجیدہ پایا۔ پھر وہ ۱۱½ بجے شب کو اسپیشل ٹرین کے ذریعے اپنے ہمراہیوں سمیت "درعا" روانہ ہو گیا۔ اور اس طرح یہ دردناک داستان ختم ہو گئی۔

مسئلہ عرب کا آخری دور

چونکہ برطانیہ اس وقت بے شمار اقتصادی و سیاسی مشکلات میں اُلجھا ہوا ہے اس لیے اس نے مجبوراً جزیرۂ عرب کو اس کے امراء کے قبضہ میں عارضی طور پر چھوڑ دیا ہے، اور اُس پر بتدریج کامل اور بلاواسطہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کیلئے اُس نے شریف مکہ اور اس کے بیٹوں کو کام میں لینا چاہا ہے اور شام، عراق اور فلسطین میں انھیں بار سوخ کر رہا ہے۔

اس "عارضی کارروائی" سے برطانیہ کا مقصود یہ ہے کہ (۱) عربی ممالک اُس وقت تک اُسکے زیر اثر رہیں، جب تک وہ ان پر بلاواسطہ تھوڑے خرچ سے قابض نہ ہو سکے۔ (۲) اردن کے اُس پار کے عرب شورش نہ کر سکیں، اور فلسطین کی یہودی نوآبادی پر ضرب نہ لگا سکیں۔ (۳) عراق پوری طرح مطیع ہو جائے، اور اس کی جدید حکومت سے ترکوں اور ان کے اتحادی مشرقی مسلمانوں اور بالشویکوں کو روکا جائے، اگر وہ انگریزی ملک گیری کے برخلاف اٹھیں اور عربی و عجمی ممالک سے برطانیہ کو خارج کرنا چاہیں۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آخر مرتبہ فیصل کے لندن جانے کے بعد انگریزوں نے اس کے باپ شریف حسین کی ماہوار تنخواہ پھر جاری کر دی ہے، اور اسکی مقدار ۱۸ یا ۲۰ ہزار پونڈ ہے۔

مسٹر چرچل بصرہ میں

گزشتہ مارچ میں مسٹر چرچل، وزیر نوآبادیات مصر آئے تھے، یہاں انھوں نے انگریزی

عراقی وفد سے طویل ملاقات کی، اور پھر وہ فلسطین گئے، اور وہاں اعلان کیا کہ انگریزی سلطنت یہاں ہمیشہ باقی رہے گی، اور مسٹر بالفور کے حسب وعدہ یہودی نوآبادی قائم کیجائیگی۔ نیز فیصل کے بھائی عبداللہ کو اردن کے مشرق کا علاقہ مرحمت کیا اور اتنی بری و ہوائی طاقت دی جو عرب قبائل کا سر کچل سکے، اور اُس ریلوے کی حفاظت کر سکے جو فلسطین سے عراق تک جانے والی ہے، نیز حیفا کی بندرگاہ جنگی کا حصہ اُسے دینا منظور کیا جو سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کا ہوگا۔ (المنار)

مسئلہ عرب و شام کی یہ آخری قسط تھی، جسے ہم نے بالاختصار درج کر دیا اسکے تینوں نمبر نہایت اہم ہیں، کیونکہ اس کے لکھنے والے علامہ سید محمد رشید رضا اُن تمام واقعات میں خود شریک رہے ہیں، بلکہ عربی تحریک کے نہایت قدیم زعیم ہیں، اور شامی کانگرس کے صدر رہے ہیں جس نے شام کی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ علامہ موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت معتبر و مدلل ہے، اور اُس سے برطانیہ، فرانس، شریف مکہ اور اس کے بیٹوں کی قلعی پورے طور پر کھل جاتی ہے۔ (پیغام)

حکومت برطانیہ اور عراق عرب

اسرار کا انکشاف

حقیقت کی چہرہ کشائی

"ٹائمز" کا نامہ نگار مقیم طہران رقمطراز ہے:۔

دلدادگان شہنشاہیت اور دلدادگان اقتدار تک کیلئے عراق عرب کا لفظ موجب اضطراب دل و اضمحلال قلب بن گیا۔ کہ اس کے ہر بن موسی خوف و خطر کے آثار نظر آتے

ہیں ۔ نام سنتے ہی طبیعت گھبراتی ہے ۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ اب صاف گوئی کا وقت آگیا ہے ۔

میں نے خود اعتدال کی خوبی کا غایت درجہ تک اظہار کیا ۔ انگلستان میں بیٹھ کر اعتراض کرنا آسان ہے لیکن مشرق میں رہ کر ایک حرف تک منہ سے نکالنا مشکل امر ہے مشکلات کے وہ پہاڑ حائل نظر آتے ہیں جن پر سے عبور کرنا تو کجا ان پر قدم دھرنا بھی دارد ۔ ان لوگوں سے جو مصروف سعی ہیں ہمدردی ضروری ہے ۔ جو شخص کل کے نزدیک ہوتا ہے ۔ وہ اس کے پرزے دیکھ سکتا ہے ۔ اور اس کی بابت بہت کچھ علم رکھتا ہے ۔ دور بیٹھ کر لعنت کے تیر برسانا آسان ہے بعض اوقات طعن و تشنیع کی وہ بھرمار ہوتی ہے ۔ کہ ناخوشگوار آب و ہوا میں پریشان کن کام کرنے کی داد خلاف انصاف ملتی ہے ۔

نامہ نگار سر آرنلڈ ولسن کے نظام حکومت پر معترض تھا ۔ اس حکومت پر زر کثیر صرف ہوتا تھا ۔ اور اس سے افلاس و نکبت کا دن قریب تر آتا جاتا تھا ۔ اکثر ارباب حکومت ناتجربہ کار تھے بعض تو بالکل ناکارہ نظر آتے تھے لیکن حکومت میں جان بھی سخت ترین مشکلات کے دوران میں جن کی نظیر مشکل سے ملے گی ۔ اس حکومت کے جہاز کو حوادث کے طوفان میں صرف ان ستاروں کو پیش نظر رکھ کر خطرات کی چٹانوں سے بچکر نکلنا پڑتا تھا جن ہیں ڈاوننگ سٹریٹ کے ہیئت داں مطلع سیاسی نقشہ پر ظاہر کر دیا کرتے تھے ۔ حکومت کے جہاز کو ان آندھیوں اور ہواؤں کے تھپیڑے کھانے پڑتے تھے ۔ جو شام اور مصر کی گرم ریت پر سے گزر کر پہنچتی ہیں ۔

اب عراق عرب خالی کر دینے کا نادر موقعہ ہے

نامہ نگار عراق عرب کی حالت کو دو سال سے زیادہ مدت سے بنظر تعمق دیکھ

رہا ہے۔ اگر اس حالت پر بہت کم الفاظ منہ سے نکلے ہیں۔ تو اس کی وجہ محض یہی ہے کہ اس نے اعتراض کرنے کی ذمہ داری ترک کردی ہے۔ حکومت کے ارباب بست وکشاد یہ پر زور دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ تمام باتوں کا موقعہ دیا جائے لیکن اس اثنا میں نامہ نگار نے خاص نتائج اخذ کر لیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض اشخاص اور بعض خیالات کو کھل کھیلنے کا موقعہ دینا مزید تکلیفات اور مزید مالی بار گران اپنے سر لینا ہے۔ ایک سال پہلے ملک کو خالی کر دینا شان سیاست کے خلاف اور غیر ممکن العمل تھا۔ لیکن اب تو نادر موقعہ ہے۔ اگر ہم فوراً ملک خالی نہ کر دینگے تو ہم تازہ مشکلوں میں پھنس جائیں گے۔

"عزت" "مواعید" "اقتدار" کے سلاسل

"عزت" "مواعید" "اقتدار" کے سلاسل پھر ہمیں جکڑنا شروع کر دیں گے۔ تمام ملک کو چاہیے کہ حکومت کے کان کے پاس منہ لے جا کر چلا کر کہہ دے۔ کہ ابھی "عراق عرب خالی کردو" حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پہلے یہ نظر آجاتا۔ کہ قاہرہ کانفرنس کے بعد مواعید و مواثیق کو کس طرح رسوا کیا جائے گا۔ تو ہمیں پہلے تخلیہ پر زور دیا جاتا۔

قاہرہ کانفرنس کی روئداد راز سربستہ ہے

مارچ گزشتہ میں قاہرہ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ مسٹر ونسٹن چرچل نے سر پیسی کاکس سے ملاقات کی تھی۔ اس کانفرنس کی تمام روئداد جمہور سے پردہ راز میں رکھی گئی۔ ۱۴ جون کو مسٹر چرچل اپنی تقریر میں اس پردہ کو اٹھاتے نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک کے باشندوں کو یہ معلوم کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا کہ اس کانفرنس میں کیا کچھ ہوا۔ اس لیے باشندوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ عراق

عرب میں کیا غیر معمولی حالت رونما ہو گئی ہے۔ واقعات ماسبق کا کچھ ذکر ضروری ہے۔
سر نیلے ماڈ فاتح بغداد نے ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کو اپنی فوج کے صدر مقام سے جو اعلان
شائع کیا۔ اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

ہماری افواج آپ کے شہروں اور ملک میں فاتحیں یا دشمنوں کی حیثیت
سے داخل نہیں ہوئی ہیں۔ بلکہ آپ کو آزادی دلانے آئی ہیں۔ ہلاکو کے
زمانے سے آپ کے شہروں کو اغیار کے ظلم و ستم کا شکار ہونا پڑا ہے۔ آپ
کے محلات ویران ہو گئے ہیں۔ آپ کے باغات اجڑ گئے۔ اور آپ کے
آباؤ اجداد غلامی میں آہ و بکا کرتے رہے۔ آپ کے جگر گوشوں کو اس جنگ
میں پکڑ کر لے گئے جس کا آغاز آپ کی طرف سے نہیں ہوا۔ ظالموں نے
آپ کی دولت چھین لی۔ اور دور دراز مقامات پر جا کر خوب لٹایا۔
مدت پاشا کے زمانے سے ترک اصلاحات کی باتیں کرتے چلے آئے
ہیں لیکن کیا آج کل تباہیاں اور بربادیاں ان مواعید کی فضولیت
کی تصدیق نہیں کرتی ہیں۔ باشندگان بغداد کو یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے
کہ برطانی حکومت آپ لوگوں پر غیر ملک کے آئین و قوانین رسم و رواج کا بار ڈالیگی
برطانی حکومت کی توقع ہے۔ کہ آپ کے فلسفہ دانوں اور مصنفین کے جذبات
کی تکمیل ہوگی۔ باشندگان بغداد پھلے پھولیں گے اور مال و دولت کا لطف
اٹھائیں گے۔ اور ان قوانین کے زیر سایہ زندگی بسر کرینگے۔ جو ان کے مقدس
قوانین اور قومی خیالات و اصول کے عین مطابق ہوں گے ۔

عربوں سے مشترکہ مواعید

جنرل مارشل نے ۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو ایک اعلان جاری کیا جس میں اس نے

باشندگان عراق سے یہی اقرار کئے۔ اس کے بعد ہی ایک اور اہم ترین دستاویز کی ترتیب عمل میں آئی۔ جو اب مشہور عام اور رسوائے خلق ہو چکی ہے۔ یہ وہ انگریزی اور فرانسیسی اعلان عام ہے جو ۸ دسمبر ۱۹۱۸ء کو نافذ کیا گیا۔

حکومت برطانیہ و دولت فرانس نے اس جنگ میں جو جرمنی کی باشندوں نے مشرق میں اپنی حرص و آز طمع و رشک کی تکمیل کے لئے چھیڑی تھی محض اس لئے حصہ لیا ہے کہ ان لوگوں کو جو ترکوں کے ظلم و ستم کا ہدف بنے رہے ہیں مکمل آزادی دلا دیں۔ ان کی قومی حکومتیں قایم کرا دیں تاکہ ایسا نظام حکومت کا قیام عمل میں آجائے۔ جو ملک کے حقیقی باشندوں کے آزادانہ انتخاب پر مبنی ہو۔ ان عزائم کی تکمیل کیلئے دولتیں فرانس و برطانیہ نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ شام اور عراق عرب میں ان ممالک کے باشندوں کی حکومتیں قایم کر دیں اور ان کے قوام عنان مرد دیں۔"

جن حضرات کو عارضی صلح کے زمانے میں سر آرنلڈ ولسن کے خیالات سے واقفیت حاصل ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ وہ اس انگریزی اور فرانسیسی مشترکہ اعلان کے الفاظ کے مخالف تھے۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آپ کا یہ خیال تھا۔ کہ یا تو دول متحدہ بہت دور کی بتی لا رہی ہیں۔ یا ان میں صداقت نہیں ہے۔ اور موقعہ کی ضرورت و اہمیت کے مطابق ایک نمائشی اعلان نافذ کر رہی ہیں۔ تو ان کے خیالات کی غلط ترجمانی نہیں ہوگی بہر صورت دول متحدہ ایسا طرز عمل اختیار کر رہی تھیں جسمیں انہیں منہ کی کھانی پڑتی۔ کیونکہ ان ممالک کے حقیقی باشندوں کی حکومتوں کا قیام و قوام آسان کام نہ تھا۔ بلکہ محافظت کرنے والی یا حکم بردار سلطنت کیلئے کئی سال کی محنت شاقہ کا محتاج تھا۔ عراق میں تو مایوسی بالکل عیاں و ظاہر تھی۔ کیونکہ اس ملک میں متعدد قبائل آباد ہیں۔ اور عربوں کو نظام و انصرام کار کا تجربہ ہی نہیں ہے

کرنیل ولسن نے اس زمانے میں اپنے خیالات کے مطابق یہاں تک کیا۔ کہ حکومت انگلستان پر زور ڈالا کہ کسی طرح قدم پیچھے ہٹالے۔ اور اعلان میں ترمیم کردے۔ یا اس پر پھر غور کرے۔ لیکن حکومت انگلستان، ملک کے باشندوں کی توپوں کے خیال میں مگن رہی۔ کیونکہ ان کی خود اختیاری حکومت کی گرج سے اسے اس مشکل کے وقت جو پیرس میں اس پر آپڑا تھا۔ بہت مدد ملتی تھی۔ اس وقت کوئی ایسی علامات بھی نظر نہیں آتی تھیں جس سے صلح کے اختتام کا خیال تک آسکے۔ ہر ایک اعلان عام میں۔ تقریر میں، گفتگو میں عراق کی حکومت خود اختیاری کا علم بلند کیا جاتا تھا۔ لیکن سر آرنلڈ ولسن کو نظر آتا تھا۔ کہ ترک سرحد پر پرے جمائے کھڑے ہیں اور معاہدہ کی ترتیب کی صورت نظر نہیں آتی۔ اس لئے انھوں نے ان اعلانات و مواعید کی تکمیل کی بہت کم نمائش کی۔ امیر کے تقرر کے موقعہ پر انھوں نے قصبہ کے باشندوں اور قبائل کے افراد کی رائے حاصل کرلی مختلف حصص اور اضلاع کے سیاسی افسر کارندے تھے۔ یہ شیوخ و عمائد اور مختلف ملل کے خیالات و آرا حکام بالا تک پہنچاتے تھے۔ مرتبع الوقت انتظام حکومت کے متعلق عوام کے خیالات کو پیش رکھنے کے بعد اس بات پر حیرت کی گنجائش نہیں رہتی کہ ایک حصہ عمال نے سر پرسی کاکس کی حکومت پر اظہار امتنان کیوں کیا؟ علم اس خیال کو لغو و بیہودہ خیال کرتے ہیں۔ کہ شریف مکہ کے خاندان میں سے کوئی شخص ان پر حکمراں ہو۔ اسی لئے اس خیال کو نہایت شدومد سے مسترد کردیا گیا۔

لیکن جو نتیجہ انگلستان و فرانس کے مشترکہ اعلان کو مدنظر رکھ کر یہ طریق حکومت مدتوں تک جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ سر آرنلڈ ولسن حکومت کی اعلان کردہ حکمت عملی کی تکمیل بھی کررہی تھی چنانچہ ایک محدود سے امیر حکومت کی بنیاد قائم کرنے اور تجاویز کا مسودہ تیار کرنے کے لئے ایک مختصر سی جماعت کا تقرر عمل میں آیا۔ اس جماعت کی صدارت کا شرف مسٹر اڈگر بونہم کارٹر وزیر عدالت عراق کو حاصل ہوا۔ اور اس حقیقت نفس الامری کی حسب ضابطہ اطلاع پارلیمنٹ کو دی گئی

سنہ ۱۹۲۰ء میں جب بغاوت فرو کردی گئی۔ اور موسم خزاں میں سر پرسی کاکس افسر اعلیٰ بنکر آئے تو صورت حالات یہ تھی۔

سر پرسی کاکس کو ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ان مشکلات کی موجودگی میں آپ نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ آپ کیلئے اشد ضروری اور اہم ترین کام یہ ہے کہ ہمیں اسی وقت اپنے عزم مصمم کا اعلان کر دینا چاہیے۔ اور دولتین فرانس و انگلستان کے مشترکہ اعلان کی تکمیل سے پہلے اپنے عزائم کا یقین دلانا چاہیے اس لئے آپ نے فی الفور ایک عارضی عرب حکومت نامزد کردی۔ تاکہ جب تک عوام سے طرز حکومت کے متعلق مشورہ کیا جاسکے حکومت کا کام چل سکے بڑے اصرار سے دستور العمل حکومت کا مسودہ تیار کیا گیا۔ رائے دہندگان کے لئے بسرعت تمام ایک قانون مرتب کیا گیا۔ اور اعلان کردیا گیا۔ کہ افسر اعلیٰ کی منظوری کے بعد ہی مجلس نمائندگان کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ اس مجلس کو عراق کے لئے آئندہ طرز حکومت کا تصفیہ کرنے کا اختیار کلی ہوگا۔ کوئی مسئلہ بھی ایسا نہ رہے گا جس پر اس مجلس کو اقتدار و اثر حاصل نہو۔ اگر یہ انجمن پسند کرے۔ تو جمہوریہ عراق عرب کا اعلان کرسکتی ہے کیونکہ بہت سے حامیان جمہوریت موجود ہیں۔ یا جمہوریت نما آئینی بادشاہت کا اعلان کرے یا حقوق و استحقاق عطا کرکے ایک بادشاہت قائم کرے۔ یہ مجلس جسے چاہے بادشاہت عطا کرے۔ خواہ عربوں کی بادشاہت تسلیم کرے۔ خواہ ترکوں کو حاکم بنائے۔ عراق عرب کے کسی شخص کو بادشاہ تسلیم کرے یا ممالک غیر کی حکومت کو ملک میں رواج دے۔ اگر اس مجلس کے ارکان متفق الخیال ہوجائیں۔ تو برطانیہ عظمیٰ کی حکم برداری کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔

ان باتوں کا نہایت آزادی سے عارضی حکومت اور جمہور عراق کو یقین دلا دیا گیا۔ سر ای بونہم ہارٹر کی نگرانی میں رائے دینے والوں کے لئے ایک قانون کا مسودہ تیار کیا گیا۔ اور دجنوری کے اخیر تک مکمل ہوگیا۔ اس روز سے قاہرہ کانفرنس کے زمانہ تک ہر روز اسی بات

کا یقین دلایا جاتا رہا۔ کہ اس قانون کا نفاذ اشد ضروری ہے۔ بلکہ یہاں تک امید کیجاتی تھی۔ کہ انتخابات ماہ رمضان کے آغاز سے پہلے ختم ہو جائیں گے۔ اور ماہ رمضان اس سال ۷ مئی سے شروع ہوا۔ لیکن دن گذرتے گئے۔ اور نامعلوم کن وجوہ کے باعث وہ قانون منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوا پر نہ ہوا۔ بایںہمہ مجھے اعلیٰ ترین حکام نے اس امر کا یقین دلایا۔ کہ یہ قانون قاہرہ کانفرنس میں شرکت سے پہلے ضرور جلوہ نما ہو گا۔ لیکن فروری کے وسط تک قاہرہ کانفرنس میں شرکت تک کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن جب جناب افسر اعلیٰ مقیم عراق۔ قاہرہ تشریف لے جانے لگے۔ تو وہ اچھوتا قانون جس کی دید کی آنکھیں مدتوں سے منتظر تھیں جس کے لئے قلوب میں اضطراب تھا۔ ان ہی کے جزدداں میں لپٹا پڑا رہا۔ اور آج تک بھی اسکو دنیا میں اشاعت کی ہوا نہیں لگی مجلس نمائیدگان کے انعقاد کی نوبت نہیں آئی۔ ۱۹۲۰ء کے موسم خزاں میں جدید طرز حکومت کی قیام کے دنوں میں تو بہت سے مواعید کئے گئے تھے۔ لیکن ایک وعدہ بھی وفا نہیں کیا گیا۔ بایںہمہ عراق میں بادشاہ موجود ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی طرز حکومت کا سوال ختم ہو گیا۔ اور اس کا تصفیہ بھی ہو گیا۔

افسر اعلیٰ مقیم عراق کے عزائم حسنہ کا خون کیوں ہوا۔ اور موجودہ خطرناک حالت کس طرح پیدا ہوئی حسب ذیل بیان سے ظاہر ہو جائے گی۔

عربوں کی آرا

زمانہ جنگ میں برطانیہ عظمےٰ میں حامیان عرب کی ایک اور جماعت پیدا ہو گئی۔ اس زمانہ میں عرب کی سیاسی امنگوں اور جذبات کے متعلق بہترین رائے مسٹر چرچ ڈوٹی کی رائے خیال کیجاتی تھی۔ آپ نے اپنی تصنیف "صحرا اور گلزار" میں عربوں اور ترکوں کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ترکوں کی تمام ناکامیوں کے باوجود کوئی بھی اور قوم ایسی نظر نہیں آتی - جو ترکوں کی جگہ موزوں ثابت ہو سکے - میں اپنے فوری مقاصد کے لئے شام کا ذکر کرتی ہوں کیونکہ میں اس صوبہ سے بخوبی واقف ہوں - ممالک غیر کے اخبارات میں اشتعال انگیز تحریریں اور رسائل اور اتحاد عرب کی انجمنوں کی وقعت کیا ہے ؟ اس کا جواب بہت آسان ہے - ان تمام چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے - عربوں کی کوئی قوم نہیں ہے - شام کے تاجروں اور بدوؤں میں ایک خلیج فاصل حائل ہے - عثمانی ان سے علیحدہ ہیں ملک شام میں عربی بولنے والی قومیں آباد ہیں - لیکن وہ ایک دوسرے کا ٹینٹوا دبانے کیلئے تیار رہتی ہیں - سلطان کے ننگے بھوکے سپاہی جنھیں کبھی کبھی تنخواہ ملجاتی ہے ان کو ایک دوسرے کے قتل سے روکتے ہیں - اور امن و امان قایم رکھتے ہیں -

عراق میں قومیت کا جذبہ پیدا کرانا ممکن ہے - بس بل نے اپنی تصنیف کی تازہ اشاعت میں جو اکتوبر سنہ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی ہے - اس حقیقت کی چہرہ کشائی کی ہے - عارضی صلح کے بعد یہ کتاب پھر چھپی ہے - اور اس میں بھی یہی خیالات موجود ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا ابتک یہی خیال ہے - لیکن ضروریات جنگ کا برا ہو - کہ ان کی وجہ سے ہم حقایق بینہ سے آنکھیں پھیر بیٹھے - اور ہم نے دانشمندانہ یا دوہائی کو شرف سماعت نہیں بخشا - ترک ہمارے دشمن تھے - اس لئے قدرتی طور پر ہم اسی کوشش میں مصروف رہتے تھے - کہ ترکی کی بدنظمی کی کوئی بات ہمارے ہاتھ لگ جائے - جسے ہم اتحادیوں کے فوجی مفاد کے لئے مفید بنا سکیں - عربوں کے جذبات کی کوئی قدر و قیمت ہو یا نہ ہو لیکن ہم ترکی کے نقائص کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے - اور اس کے ستائے ہوئے لوگوں سے تو کسی طرح وہ سلوک تغافل نہیں کر سکتے تھے - جو جرمنی نے آئرلینڈ سے کیا ہے -

حامیان عرب کے لئے یہ نادر موقعہ تھا - جس طرح حکومت جرمنی کے پاس اس کے منجھے ماہرین علوم اور مستشرقین موجود تھے جن کا ظن غالب یہ تھا - کہ آئرلینڈ میں جمہوریت

کے قیام وقوام کا امکان ہے۔ اور ہندوستان میں ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کے لئے بغاوت انگیزی ضروری ہے اسی طرح ہمارے ملک میں بسنے والے اتحاد عرب کے حامی ترکی کی حکومت کو کانٹ چھانٹ کے عربوں کی حکومت کے قیام پر مصر تھے اس لئے یہ بات قدرتی اور ناگزیر تھی۔ کہ حکومت ان لوگوں کو آلہ کار بر آری بنالے۔

وہابیوں کا خروج

اس لئے اب یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف کس طرح برانگیختہ کیا جائے۔ سنوسی تو کسی کام کے نہیں تھے کیونکہ وہ اس حکومت عرب میں حصہ دار بن نہیں سکتے جس کے ہم حامی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مصر درمیان میں حائل ہے۔ علاوہ ازیں وہ ہمارے مخالف بھی ہیں۔ ادریسی اور امام یمن بہت کم کام دے سکتے تھے۔ رشید امیر حائل ترکوں کے ساتھ مل گئے اب صرف دو ایسی ممتاز ہستیاں رہ گئیں۔ جو ہمارے شہنشاہی اقتدار کے اثر میں آسکتی تھیں۔ انھیں ہم سرمایہ دے سکتے تھے۔ مدد پہنچا سکتے تھے اور ان سے یہ وعدہ کر سکتے تھے۔ کہ اگر ہماری اعانت کیجائیگی۔ تو ہم بہت سا صلہ وانعام دینگے۔ یہ معزز ہستیاں "حسین شریف اعظم مکہ اور ابن سعود وہابی امیر نجد کی ہستیاں تھیں۔

اس حقیقت نفس الامری سے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان کے اغراض ومقاصد میں بعد المشرقین ہے۔ اور ان کے پیرو مذہب کی تیز تلوار ایک دوسرے سے علٰحدہ ہیں بہت پیچیدگی پڑگئی۔ محمد بن عبدالوہاب اٹھارویں صدی میں علم اسلام لیکر اٹھا۔ اس نے ۱۷۶۰ء میں سعود حاکم نجد کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا۔ اسی زمانہ میں بہت سے چھوٹے شیوخ نے جو پہلے ایک دوسرے کے مخالف تھے یہ مذہب قبول کرلیا۔

ان شیوخ اور دیگر عقیدتمندوں کی مدد سے سعود اور اس کا جانشین سعود ابن سعود وسط عرب میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو سکے۔

سعود ثانی کے بیٹے نے ۱۸۰۱ء میں کربلائے معلیٰ کے مقدس شہر کی بے حرمتی کی۔ ۱۸۰۳ء وہ فوجیں لیکر مشرق کی طرف بڑھا۔ اور مکہ معظمہ کے حرم مقدس پر قبضہ کرلیا اور اس مقام مقدس کی جو شیعہ اور سنیوں دونوں کے لئے یکساں واجب الاحترام ہے بے حرمتی کی۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے مدینہ پر قبضہ کرلیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں ۱۸۱۲ء تک وہابیوں کے قبضے میں رہے۔ ۱۸۱۶ء میں مصر کے مشہور و معروف پاشا محمد علی نے نجد کے دار السلطنت راعیہ پر قبضہ کرلیا۔ اور اسے تباہ کر ڈالا اس وقت وہابی سلطنت کچھ مدت کے لئے مٹ گئی۔

لیکن ایمان کا زائل ہونا تو ناممکن تھا سلطنت کی ویرانی و تباہی میں بھی ایمان کا جذبہ موجود رہا ۱۸۲۲ء میں خاندان سعود نے پھر سر اٹھایا۔ دراعیہ کے کھنڈروں کے نزدیک ایک نئے دار السلطنت کی بنیاد رکھی گئی اس شہر کا نام ریاض رکھا گیا۔ پھر اس مملکت نے عروج حاصل کیا لیکن بتیس سال گذرے۔ خاندانی تنازعات کے ہاتھوں پھر ملیامیٹ ہو گئی۔ اور خاندان ابن رشید جو جبل شمار سے تعلق رکھتا ہے۔ غالب آگیا۔ لیکن آخر اسے بھی روز بد دیکھنا پڑا۔ ابن سعود کا خاندان سخت جان ہے۔ ۱۹۰۱ء میں موجودہ امیر نجد کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ پندرہ آدمیوں کو ساتھ لیکر رات کی تاریکی میں شہر میں جا گھسا۔ پو پھٹتے ہی ابن رشید کے مقرر کردہ عامل کو قتل کر ڈالا اور ابن سعود کا جھنڈا نصب کر دیا۔

اس کے بعد امیر نجد کا لقب اختیار کر کے اس نے اپنی آبائی سلطنت کے بہت سے حصے پر قبضہ کرلیا ہے۔ اس نے الحصا میں سے ترکوں کو نکال دیا۔ اور مشرق کی طرف ان بندرگاہوں تک جو بحرین کے مقابل واقع ہیں شمال میں شیخ کویت

کے ملک کی سرحد تک جا پہنچا۔ لیکن مغرب میں شریف اعظم مکہ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور ۱۹۱۸ء میں نجد پر حملہ کیا۔ اگرچہ شکست کھائی۔ اور اپنے ملک کی حد تک واپس ہوا۔ لیکن باہمی مغائرت اور مناقشت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی مخالفت پر تلے رہے۔

ابن سعود نے تحریک اخوان سے جو ایک روحانی برادری کی تحریک تھی۔ وہابی مسلک کو وہ تقویت بخشی جو آج کل اس مسلک کو حاصل ہے۔ شیعہ و سنیوں کے اچھا کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ وہ علی الاعلان تمباکو نوشی کرتے تھے۔ اور خود ہی مجہ سے شراب بھی پی لیا کرتے تھے۔ ابن سعود کے آباؤ اجداد تو اتنے فطرتی نہ تھے۔ کہ ان خلاف مذہب افعال کو گوارا کرتے۔ وہ ان کے لئے ضرور سزا دیا کرتے تھے۔ لیکن اس نے اپنی مملکت کے قرب و جوار اور مملکت میں بسنے والے شیعہ اور سنیوں کو ان افعال کیلئے سزا دینے کی کوشش تک نہیں کی۔ اس نے اخوان کی بستیاں قائم کیں۔ وہ اس قدر آدمیوں کو ہم عقیدہ بنانے تھے۔ کہ تلوار کے زور سے پہلے کبھی اس حلقہ مسلک میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان کے مبلغوں کی سرگرمیاں مکہ والوں کو بے چین اور مضطرب کیا کرتی تھیں۔ ابن سعود ایک حد تک حج میں بھی مداخلت کیا کرتے تھے۔ اور اس روپیہ کو جو اس طرح شاہ حسین کے خزانہ میں جاتا تھا۔ روکتے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک اور بت پرستی ہے۔ وہ ان شیعوں سے جو ان کے علاقے میں سے گذرا کرتے تھے۔ ایک تاوان یا جزیہ لیا کرتے تھے۔

حکومت برطانیہ کی کارگزاری

جب جنگ کا آغاز ہوا۔ اس وقت ملک کی یہ حالت تھی۔ ہم نے شریف مکہ اور ابن سعود دونوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور انہیں ترکوں کے

خلاف برانگیختہ کیا۔

وہابی اور ابن سعود تو پہلے ہی ہمارے یا یوں کہیئے۔ کہ حکومت ہند کے دمساز تھے سنہ ۱۸۶۵ء کا واقعہ ہے۔ کہ اس زمانے میں ایک برطانی وفد بسر کردگی کرنیل لیوس پیلی ریاض گیا تھا۔ اس وفد نے خاندان ابن سعود سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی پاسداری ہمیشہ ملحوظ رہی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ عہدنامہ مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اس پر بھی وہابیوں نے مجھے بتایا۔ کہ وہ اس معاہدہ کی تکمیل اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

موجودہ ابن سعود اور اس کا والد عبدالرحمان جو ضعیف العمر اور واجب الاحترام بزرگ ہے، سنہ ۱۸۸۵ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک قویت میں مقیم رہے۔ شیخ قویت ان کا حامی و مددگار رہا۔ اسی کی برکت ہے کہ یہ پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کیلئے باہر نکلے۔

جس زمانے میں یہ خاندان قویت میں تھا۔ اس زمانے میں برطانی پولٹیکل افسر اور ریزیڈنٹ بوشہر سے ان کے تعلقات تھے جب یہ خاندان ریاض پہنچا۔ اس وقت یہ تعلقات دوستانہ قائم رہے۔ کپتان شکسپیئر انجمانی پولٹیکل افسر قویت عربوں کے مداح اور گہرے دوست تھے۔ ان کی وساطت سے سلسلہ تعلقات مربوط و مضبوط ہوگیا۔ الغرض ہمارے اور ابن سعود کے درمیان باہمی اتحاد و اعتماد کا سلسلہ تو پہلے ہی سے قائم تھا ترک تو آبا و اجداد سے اس کے دشمن چلے آتے تھے سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے چھڑنے سے بیشتر اس نے ترکوں کے خلاف جنگ کیا تھا۔ اور اس میں یہانتک کامیابی حاصل کی تھی۔ کہ الحصا پر قبضہ کرلیا تھا۔

جبل شمار کے بسنے والے بھی اس کے دشمن تھے۔ اس لیئے ابن سعود نے شریک جنگ ہونے میں تامل نہیں کیا۔ جنوری سنہ ۱۹۱۵ء میں وہ میدان جنگ میں اترا لیکن شومی قسمت! کپتان شکسپیئر جو اس کے ساتھ تھا جنگ جراب میں مارا گیا۔ اور ابن سعود کی پیادہ فوج میں بدنے اپنے ہاتھ دکھائے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس جنگ میں جس کا آغاز فاتحانہ تھا شکست

شکست کھانی پڑی۔ اس واقعہ کے بعد ہماری اور ابن سعود کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اور مدت تک ہم میدان جنگ میں نہیں اُترے۔

مسئلۂ خلافت

اس وقت شریف اعظم مکہ کے متعلق ہمیں بہت کم علم تھا۔ سر ہنری مک ماہون مصر میں افسر اعلیٰ تھا۔ انھوں نے شریف مکہ سے سلسلہ پیام و سلام شروع کیا۔ مسٹر رانلڈ سٹورس وزیر شرقی مقیم قاہرہ کو متعین کیا گیا۔ کہ وہ دلکش شیریں الفاظ میں شریف مکہ کو خطوط لکھے۔ اور اسے اپنا بنا لے۔ بہت پر لطف خط و کتابت ہوتی رہی۔ اس میں اکثر خطوط شائع ہو چکے ہیں۔

شریف مکہ نے اپنا دہن آز بہت فراخ کر دکھایا۔ مسلمان جانتے تھے۔ کہ شریف آدمی ہے۔ اسے حاجیوں سے بہت کچھ ملتا ہے۔ اس شہرت سے مکہ میں اپنے مداحین کے علاوہ کہیں اور بھی اسے عزیز جانتے تھے۔ اس کے دل میں یہ مہتم بالشان خیال جم گیا۔ کہ میں خلیفہ بن جاؤنگا جسمیں عرب کی سرزمین ہی نہیں۔ بلکہ وہ ممالک بھی شامل ہوں گے۔ جو عرب سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ جنگ کے دنوں میں قاہرہ میں ایک شیعہ عرب قائم کیا گیا تھا۔ اس میں بہت سے سرگرم پر جوش کارکن تھے۔ ان کی عین آرزو یہ تھی۔ کہ ان تمام دعاوی کی حمایت کیجائے۔ حالانکہ یہ تمام دعاوی محض ہوائی اور خلاف حقیقت و صداقت تھے۔

سلطان ترکی کا بحیثیت خلیفۃ المسلمین بہت اثر و اقتدار ہے۔ اس اثر و اقتدار کو تباہ کرنے کے لئے انھوں نے عربوں کی خلافت قائم کرنے کی ٹھان لی۔ اور اسے نہ صرف زمانہ جنگ کیلئے مفید مطلب سمجھا۔ بلکہ جنگ کے بعد کے لئے بھی برطانی مقصد کیلئے سودمند خیال کیا۔ قابل تعریف بات تو یہ ہے۔ کہ انھوں نے محض دلائل و الفاظ کے

زور سے ایک عرب حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا جس کے سلطان کا صدر مقام مکہ ہو گا۔ اور وہ تمام اماکن مقدسہ کا سردار ہو گا۔ اسے ہماری محبت و مودت کا شرف حاصل ہو گا۔ اور ہمارے سایہ عاطفت میں حکومت کیا کریگا حج کیلئے وہ انتظام کیا جائیگا۔ جو آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ لاکھوں وفادار ہندی مسلمان آرام دہ برطانی کشتیوں میں جدہ پہنچا کرینگے۔ اور وہاں سے خوبصورت موٹر گاڑیوں میں بیٹھ کر مکہ میں جا داخل ہوا کریں گے اگر حفظان صحت جو اہل برطانیہ کو اس قدر عزیز ہے۔ کو داخل ہو سکتی ہے تو ضرور کو دتی اچھلتی ترقی کرے گی۔ حج نہ تو تہذیب کیلئے خطرناک ثابت ہو گا۔ نہ وبائی امراض پھیلانے کا ذریعہ بنے گا۔ بلکہ تفریح و سیاحت بھی ہو گا اور اس سے ایک مذہبی فرض کی ادائیگی بھی ہو جایا کرے گی۔

برطانی شہنشاہیت کیلئے قابل تعریف نتائج مترتب ہوں گے "حاجی ولم" کی خوفناک گرج ہمیشہ کیلئے غت ربود ہو جائے گی۔ اس پر لطف سہانے خواب کی حمایت میں انھوں نے بہت سے فاضلانہ اور تاریخی نقطہ خیال سے درست ترین دلائل پیش کئے۔ اور یہ ثابت کیا۔ کہ سلطان ٹرکی کا خلافت کیلئے کوئی موروثی حق نہیں ہے۔ بلکہ شریف اعظم مکہ کو خاندان کے اعتبار سے جو حق حاصل ہے۔ وہ سلطان ترکی کو حاصل نہیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ مدبرین برطانیہ کے دل میں اس بات کا خیال رہ گیا۔ جسے ان پرجوش حامیان مملکت عرب نے گلدستہ طاق نسیان بنا دیا تھا۔ انھوں نے یہ خیال کر لیا۔ کہ مسئلہ خلافت میں دخل انداز ہونے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے صرف عالم اسلام کے افراد کو یہ استحقاق حاصل ہے۔ اگر حکومت برطانیہ نئے خلیفہ کے انتخاب میں مدافعت کرے گی۔ تو یہ اسی طرح ہو گا۔ جیسے ولسن صدر جمہوریہ امریکہ یا شہنشاہ جاپان جدید پوپ کے انتخاب میں ٹانگ اڑائیں۔

حکومت برطانیہ نے بڑی عقلمندی کی۔ کہ اس نے مسئلہ خلافت میں سرکاری طور پر کوئی مداخلت نہیں کی۔ لیکن اس اثنا میں اُن پرجوش حامیان حکومت عرب نے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ ہم سلطان ترکی کے خلاف شریف اعظم مکہ کو جو حاجیوں سے استحصال بالجبر کے لئے عوام پر خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ شاہ حسین سے خط و کتابت میں جن امور کا قرار واقعی تذکرہ کیا گیا تھا۔ ان کا حشر بھی یہی ہوا کوئی غیر جانب دار انصاف پسند وہ شخص یہ نہیں سمجھے گا۔ کہ اس خط و کتابت سے ان دعاوی کا پتہ چلتا ہے۔ جو خاندان شریف۔ بروئے خط و کتابت قائم کرنا چاہتا ہے۔ خط و کتابت مبہم ضرور ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم میں اتنی بھی جرأت نہ تھی۔ کہ ہم صاف طور پر کوئی ایسی بات کہہ سکتے جو خاندان شریف کو ذرا بھی ناگوار ہوتی۔ اس طرح اس خط کتابت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ اور ان حدود سے تجاوز کر گیا۔ جو ہم نے اپنے دل میں قائم کی تھیں۔

شریف اعظم کے ....کو شکار کرنے کے لئے ہم نے اسے "بادشاہ" کا خطاب دیدیا۔ حالانکہ بادشاہت کا شائبہ تک نہ تھا۔ "بادشاہ کے لئے تو مملکت بھی ہونی چاہئے" کہتے ہیں جب سر پرسی کاکس نے یہ الفاظ سُنے تو آپ نے فرمایا کہ "مملکت موجود ہے" اس کے بعد ہی حسین نے ان خطوط میں جو ہمیں بھیجے۔ اپنے آپ کو بادشاہ سرزمین عرب لکھنا شروع کر دیا۔ اور ہمیں سرکاری خطوط کے جواب میں اسے "شاہ حجاز" لکھنا پڑا۔

اب تو دنیا جہان کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ کرنیل لارنس اس تحریک کے روح رواں تھے۔ جو شریف کو آلہ کار برآری بنا کر ترکوں کے خلاف شروع کی گئی تھی۔ کرنیل لارنس ضبط نفس میں ماہر۔ ممتاز اور دلکش شخصیت رکھتے ہیں۔ آپکو عربوں سے ہمدردی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ برطانی حکومت نے خزانے ان کے حوالے کر دیئے۔ انھوں نے

شاہ حسین کے خوبرو اور بجیلے فرزند امیر فیصل سے دوستانہ گانٹھ لیا۔ ان دونوں نے مدینہ تک ترکوں کی ریل پر چھاپے مارے۔ شمال کی طرف پیش قدمی کا فوری نظام مرتب کر لیا گیا۔ آخر کار ان کی افواج ماورائے بردوں میں جرنیل ایلینبی کی فوج کا بیش قیمت میمنہ بن گئیں۔

امیر فیصل نے آبائی آثار کو لات مارنے کی کوشش کی۔ اپنے آپ کو شام میں بادشاہ بنانا چاہا۔ لیکن شام کی حکم دار سلطنت فرانس سے ان کا نبھاؤ نہ ہو سکا اسلئے ناکام رہے۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں بمقام دمشق آپ کو بادشاہ شام بنایا گیا اور تاجپوشی کا جشن منایا گیا۔ آپ کے بھائی عبداللہ کو جواب ممالک ماورائے بردون میں ہیں۔ شاہ عراق عرب کا خطاب دیا گیا۔ لیکن اس دلیرانہ فریب کاری کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس پر بھی نہ انھیں مایوسی ہوئی نہ ان کے احباب حامیان اتحاد عرب کو۔ اب ان کے دماغ میں یہ خبط سمایا۔ کہ وہ فیصل کو عراق عرب میں بادشاہ بنائیں۔ ایک لائحہ عمل تجویز کیا گیا جسکی نہایت غور و خوض سے تعمیل کیگئی۔ چنانچہ یہ لائحہ عمل کامیاب ثابت ہوا وہ لائحہ عمل کیا تھا۔ اس لائحہ عمل سے ہمارے مواعید میں کس کس طرح قطع و برید ہوئی ہے اور اس نے واقعہ دمشق کی طرح کس طرح مشکلات پیدا کیں اور ہمارے فرانسیسی دوستوں کو ہم سے ناراض کر دیا۔ ایسے امور ہیں۔ جو اب تک جمہور سے مخفی ہیں۔ اب میں ان تمام واقعات کا انکشاف کرونگا اور بتاؤنگا۔ کہ اس لائحہ عمل پر کاربند ہونے سے ہمیں کسطرح مزید مصارف برداشت کرنے پڑینگے اور کس طرح قعر مذلت میں گرنا ہوگا۔

انجمن اتحاد عربی کا سب سے پہلا کام یہ تھا۔ کہ عراق عرب سے برطانیہ کا قدم بالکل اکھاڑ دیا جائے۔ جو باوجود کثیر اخراجات کی متحمل ہونے اور بہت فوج ضائع کرنے کے بھی وہاں اڑا ہوا تھا۔ اور وہ ۱۹۲۰ء تک بدستور قابض رہا۔ جو روپیہ برطانیہ نے دل کھولکر لٹایا ہے اب وہی روپیہ دمشق و حلب سے ریگستانوں اور فرات کے زیریں حصول میں پہنچنے لگا۔

تاکہ عراق عرب کے قبائل شیوخ اور کربلا و نجف اشرف سے مجتہدین کو اپنا زرخرید غلام بنا کر انجمن اتحاد عربی ان کی وساطت سے برطانوی خون کی ندی بہائے۔ یوسف سویدی سیّد محمد صدر الدین کاظمین اور وسط فرانس کے باشندے سیّد محمد نوری یہی تینوں برطانوی افسروں کے قتل کے بانی اور اتحاد عربی جماعت کی کاربرآری کا آلہ تھے جناب اس کا ثبوت بھی مل چکا ہے۔ کہ انہیں دمشق سے مالی اعانت ملتی تھی۔ خود یوسف سویدی نے اس کا اقبال کیا ہے۔ درحقیقت یہ سب قسمت کے دھنی تھے۔ کہ جونہی بغاوت فرو ہوئی۔ اور تینوں کے تینوں کمال عجلت سے بدین خیال عراق و عرب سے کسی غیر ملک میں پناہ گزیں ہونے کے لئے فرار ہو گئے۔ کہ ان سے کسی قسم کی بازپرس نہ ہو۔

ہمارے ہم وطن شاید اس پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن یہ عین حقیقت ہے۔ گذشتہ جون میں جب امیر فیصل نارتھ برک جہاز میں سوار ہوا تھا۔ تو یہ تینوں مصاحب اس کی معیت میں تھے۔ اسی کے ساتھ بصرہ میں وارد ہوئے تھے۔ اور اسی وقت سے یہ لوگ امیر مذکور کی خفیہ انجمن کے مشیر کار مقرر ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اتحاد عربی جماعت نے دیکھا۔ کہ جس موقع کا مدتوں سے انتظار تھا۔ وہ اب آچکا۔ اور فوراً اس موقع سے اس نے فائدہ اٹھایا۔ انجمن نے خوب سمجھ لیا۔ کہ دشمن کا دور حکومت جیسا ہونا چاہیئے۔ ایسا نہیں ہے جس کا کہ خود فرانس و برطانیہ نے اپنے متحدہ اعلان میں ۱۹۱۸ء میں اظہار کیا تھا۔ اب خالص عربی حکومت قائم کرنے کی ضرورت۔ اور اس کے فائدے لوگوں کے ذہن نشین کرنے لگی اس کے اراکین نے ٹائمس وغیرہ کئی اخبارات میں مضامین کی بھرمار شروع کی اور ایسا لکھنے لگے کہ پڑھنے والا بھی سمجھے۔ کہ کوئی عراق عرب کی حالت کا بہت بڑا ماہر اور باخبر آدمی مضمون لکھتا ہے۔ لیکن کوئی ان مضامین کی تہ تک نہیں پہنچا تھا۔

جن میں راقم مضمون کا مطمح نظر اور مخفی ارادے پوشیدہ تھے۔ لفظ عرب ایک وسیع اور ہمہ گیر لفظ ہے جس کے اندر مغرب میں تو بحر اطلانٹک کا ساحل مخا اور مشرق میں ایرانی تیل کے چشمے جنوب میں دریائے نیل کا بالائی علاقہ اور شمال میں موصل سب آجاتے ہیں۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ عراق عرب میں کسی غیر طاقت کی مدد سے اس کام کا آغاز جسمیں ایک بار مکہ میں پھر حلب میں ناکامی ہو ہی چکی تھی۔

سر پرسی کاکس

ارنلڈ ولسن صاحب نائب ہوئے۔ تو سر پرسی کاکس ان کے جانشین بنکر آگئے انھوں نے سیاسیات عرب کا مطالعہ ہندوستانی مکتب میں کیا تھا۔ لہذا وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے۔ کہ مسئلہ خلافت میں ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات و احساسات کیا ہیں اور کیسے ہیں۔ اور اس کی جڑمیں خلیج و ساحلی زمین پر کس مضبوطی سے دور دراز تک چلی گئی ہیں۔ ابن سعود کی طاقت کا علم انہیں ہو چکا تھا۔ برطانی خون کے داغ وہابیوں کے دامن پر نہیں ہیں۔ گو لوگ انہیں خصائل رذیلہ کی وجہ سے خطرناک اور گندی آبادیاں تصور کرتے ہیں۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں ابن سعود کی کوششوں سے ان لوگوں میں بہت رواداری بھی آگئی تھی۔ لہذا سر پرسی کاکس عراق عرب میں کسی جانبداری کی حیثیت سے داخل نہیں ہوئے تھے۔ لندن اور مکہ کی سازش سے وہ محض بے خبر تھے۔ اور بالکل متضاد سبق پڑھکر آئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ظاہر و باطن میں یہی طرز عمل رکھا۔ کہ جس طرح ہو عراق عرب کو اسی کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ ایسا کرنے سے بغدادی نقیب بھی سر پرسی کاکس کے حامی ہو گئے۔ جن کے مل جانے سے سر پرسی کاکس کو بہت تقویت پہنچی اس بزرگ اور معزز عرب کی اگر حمایت نہ ہوتی۔ تو سر پرسی کاکس وہاں عارضی حکومت بھی نہ کر سکتے۔ نقیب بغداد کو سر پرسی کاکس پر اعتماد تھا۔ انھوں نے جدید حکومت کی

نگرانی کا بار اس سمجھوتہ کے بعد اپنے سر لے لیا۔ کہ نیا قانون انتخاب مرتب کرکے شائع کر دیا جائے گا۔ اور مجلس شوریٰ منعقد کی جائے گی۔ جو حکومت کا نظام وضع کریگی اس وقت یہ سوال درپیش تھا۔ کہ آیا عراق عرب کو طے کرلینا چاہیئے کہ وہ کسی فرد واحد کو حکومت تفویض کرنے کے لئے چن لے۔ مگر وہ شخص کیا عراق عرب ہی کا ہو؟ چنانچہ نقیب صاحب کو معلوم تھا۔ کہ اگر ایسا ہوا تو میں ہی منتخب کیا جاؤنگا۔ اسی طرح میں اگر سید طالب نے بھی جو بصرہ کا باشندہ اور نہایت کارگزار اور مقتدر آدمی تھا۔ وزارت داخلہ کا عہدہ قبول کرلیا تھا۔ جب بغاوت کی آگ مشتعل ہوئی۔ اس زمانے میں مسٹر ارنلڈ ولسن اس شخص سے طالب امداد ہوے تھے۔ اور اس شخص نے فوراً مردانہ واراں کی درخواست کا جواب عین مایوسی کے وقت دیا۔ اور فی الفور بغداد جا پہنچا۔ سید طالب بھی حکومت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اور اگرچہ وہ نقیب کا قرابت دار تھا۔ تاہم اس کی آنکھیں قصر حکومت پر لگی تھیں اور وہ تصور کرتا تھا۔ کہ نقیب بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور عنقریب چھلکنا ہی چاہتا ہے۔ اور میں ابھی جوان ہوں۔ یہ بتانا یہاں دلچسپ ہوگا کہ وہ اپنے کو اب تک جوان ہی سمجھتا تھا۔ بہرکیف اسی زمانے میں انجمن اتحاد عربی لندن میں اپنا کام کمال جانفشانی سے کر رہی تھی۔ اب وہ مطالبہ کرنے لگی۔ کہ مشرق وسطےٰ کا صیغہ یا دفتر وزیر ہند کے دفتر سے بالکل علیحدہ قایم ہو جائے۔ کیونکہ وزیر ہند کے دفتر سے الحاق نہ رکھنا انجمن کی کامیابی کا زینہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر مشرق وسطےٰ کے علیحدہ دفتر کی تجویز چند لوگوں نے کی تھی۔ لیکن انجمن اتحاد عربی نے اس کو مفید مطلب جان کر مطالبہ کیا۔ کہ ایسا ہونا ہی چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ شریف کے خاندان سے مسلمانان ہند کو مطلق ہمدردی نہیں تھی۔ اور ادہر فرانس کی رعایتوں سے برطانیہ مرعوب ہو ہی چکا تھا۔ اس لئے مشرق وسطیٰ کا صیغہ نوآبادیات کے دفتر میں قایم ہو گیا۔ کرنیل لارنس اس جدید صیغہ کے مشیر مقرر ہوے۔ اور جناب

چرچل وغیرہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے ہیں اس سے زیادہ کوئی کام خلاف مصلحت نہیں ہو سکتا کہ عرب علاقوں کو غیر نوآبادیات کے سپرد کر دیا جائے۔ اس سے برطانیہ کو نقصان پہنچا۔ اور ابھی پہنچنے کا احتمال ہے۔ برطانیہ کے اسی نوآبادیات والے طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ آج اس کے خلاف طہران۔ کابل۔ بغداد۔ بیت المقدس۔ قاہرہ اور قریب قریب تمام مشرق میں زبردست سازشیں ہو رہی ہیں۔

قاہرہ کی مجلس

جس وقت مسٹر چرچل نے جدید محکمہ کی باگ ہاتھ میں لی اسی وقت اتحاد عربی انجمن نے اپنی لڑائی فتح کر لی تھی۔ گو ایک عرصہ تک بغداد کو اس کا حال نہیں معلوم ہوا۔ اور اعلیٰ افسر آخری فیصلہ کرنے لگا۔ قانون انتخاب اور مجلس شوریٰ کا۔ اور خود اختیاری حکومت کا۔ پھر قاہرہ کی مجلس کی دعوتیں آنے لگیں۔ اور اس سے کچھ ہی قبل دھمکیاں بھی اس کو موصول ہوئیں کہ قانون انتخاب ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ مارچ آیا اور اتحادیین عرب قاہرہ میں بحیثیت فاتحوں کے داخل ہوئے ان کا خیال تھا کہ انہیں کوئی عطیہ نہیں ملا ہے۔ بلکہ انھوں نے آزادانہ طور پر اپنی مرضی سے اسکا نفاذ کیا ہے۔ اب سر پرسی کاکس مسٹر چرچل کے روبرو اپنی حاکمانہ حیثیت سے کھڑے تھے۔ انھوں نے مسٹر چرچل کو انگریزوں کے ان وعدوں کی یاد دلائی جو انھوں نے کئے تھے کہ بس اب قانون انتخاب کا مسودہ مرتب ہو چکا ہے۔ ہماری میز پر رکھا ہے۔ اور بس اب شائع ہی ہوا چاہتا ہے۔ سر پرسی کاکس نے مجلس جمہوریت جیسے بے شمار وعدوں کی یاد دہانی کی۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی بتا دیا کہ جب ابن سعود اپنے آپ کو ایک طرف حسین مکہ سے دوسری طرف عمان میں امیر عبداللہ سے تیسری طرف عراق میں دیگر خون کے پیاسے دشمنوں سے گھرا دیکھے گا تو اس کی پریشانی کا کوئی اندازہ نہ ہوگا۔ پھر اس بات پر بھی توجہ دلائی تھی کہ

خود میری آبرو ریزی کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن انجمن اتحاد عربی کے دم خم نے کانفرنس سے منوالیا کانفرنس نے طے کیا کہ برطانی مفاد کو مدنظر رکھکر یہ ضروری ہے کہ شریف کے کسی بیٹے کو عراق عرب کا تاجدار بنا دیا جائے۔ اور وہ امیر فیصل ہی ہو۔ ہر شخص نے یہ سمجھکر سر تسلیم خم کر دیا کہ جب کثرت رائے سے انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ اسوقت دیکھ لیں گے۔ امیر عراق عرب میں محض اجنبی آدمی کی وقعت رکھتا ہے لہذا وقت آئیگا تو وہ ہمارے سامنے ٹھہر نہ سکے گا۔ پس جو کام کرنا ہے حکومت نے سوچا وہ یہ ہے۔ کہ امیر فیصل کو پہلے ملک میں بھیجا جائے۔ مصمم ہو گیا۔ کہ یہ ہونا ہی چاہیے۔ تیاریاں ہونے لگیں۔ ساتھ ہی اس عزم کے اس امر کی بھی پوری پوری کوششیں کیگئیں۔ کہ عوام کی نظر سے اس حقیقت کبریٰ کو پوشیدہ رکھا جائے۔ کہ برطانیہ کا ہاتھ اس میں نہیں ہے۔ اور فوراً نظام عمل اس کے لئے مرتب ہونے لگا۔ وہی نظام عمل جو کبھی سر پرسی کاکس نے اپنے لئے بنایا تھا۔ ابن سعود کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ لیکن انجمن اتحاد عربی کے پاس ایک سیدھا سادہ نسخہ تھا۔ اور وہ اشرفیوں کی تھیلی تھی! وہ اس کی قائل تھی۔ کہ عرب پر زر و جواہر کے ذریعہ قابو پانا نہایت آسان امر ہے۔ اور یہ قطعی واقعہ ہے انگریز خاتون بیل صاحبہ نے جسکی جگہ کہا ہے "عرب ٹکٹکی باندھے ہوئے اس خاص موقع کو دیکھ رہا ہے"

ایک دوسرے حقیقت نگار نے اس حقیقت سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ دو برس سے بھی کم میعاد میں کرنیل لارنس نے وہاں بیس ہزار اشرفیاں تقسیم کر دیں۔ یہ کہنا تھا اسکا تو تعجب نہیں کہ انہیں وہاں اقتدار حاصل ہوا بلکہ اس کا تعجب ہے۔ کہ اب مطلق اقتدار نہیں باقی رہا۔ اور اگر بجائے ان کے میں ہوتا۔ تو کبھی عرب میں نظم و نسق نہ کرتا بلکہ میں خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ ابن سعود کو اسی طرح باطمینان اشرفیوں کا توڑا حوالہ کر کے ٹال دیا برطانی محصول دہندوں کو معلوم ہوگا۔ کہ ساٹھ ہزار پونڈ کی بیش قرار رقم دینے کے بعد

وہ عراق عرب۔ حجاز۔ اور قومیت کے ساتھ آشتی رکھ سکا۔ ماورائے جردانیہ کے بارے
میں مجلس قاہرہ نے طے کیا۔ کہ فلسطین میں ایک عرب کی صوبہ دار حکومت قایم کیجائے
جس کے نگراں کار سر ہربرٹ سیموئل ہوں۔ اس نے یہ بھی سفارش کی۔ کہ برطانی فوج
فرانس کی مخالف سازشوں کو فلسطین سے مٹانے اور امن بحال کرنے کے لئے وہاں
داخل ہو۔ اور امیر عبداللہ کو جو اس کے قبل انجمن اتحاد عربی کا رکن تھا۔ وہاں کا حاکم اعلےٰ
بنایا جائے۔ مگر چند ہی روز بعد جب جناب چرچل و عبداللہ سے بیت المقدس میں راز
و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ تو اس تجویز پر پانی پھر گیا۔ امیر نے صاف صاف کہدیا۔ کہ
میں فرانس کا مخالف ہوں۔ اور ہمیشہ اس کا دشمن رہونگا۔ مزید برآں مجھ سے یہ نہ ہو سکیگا
کہ ہربرٹ سیموئل صاحب کی ماتحتی میں رہوں۔ پھر اس نے یہ تجویز جناب چرچل کی
بارگاہ میں پیش کی۔ کہ ماورائے جردانیہ اور فلسطین کو متحد کر کے ایک حکومت کی بنیاد
اساسی ڈالی جائے۔ اور ہربرٹ سیموئل صاحب سے اس حکومت کے امیر کا ایسا ہی
تعلق ہو جیسا کہ امیر فیصل کا سر پرسی کاکس کے ساتھ ہے۔ یہ تجویز کرتے وقت اس کا گمان
اپنی ذات کی نسبت تھا۔ کہ میں ہی یہاں کا تاجدار ہو جاؤں گا چونکہ انگریزوں نے
یہودیوں سے بعض پیمان و عہود کئے تھے۔ انہیں ملحوظ رکھ کر مصالحت کر لی گئی۔
عبداللہ نے اپنی ضروریات کیلئے انگریزوں سے روپے لیکر اور اپنی فوج کے لئے افسر
مانگ کر چھ ماہ تک ماورائے جردونیہ کا نظم و نسق کیا۔ جب چھ مہینے ختم ہونے لگے
اور ماورائے جردونیہ میں احتیاط و نگہداشت کی ضرورت پڑی۔ تو روپے دیکر
کام کرانے کے طرز عمل سے پھر کام لیا گیا۔ کرنیل لارنس کو جھٹ پٹ امام یحییٰ
[illegible] ساکن عصیر کی خدمت میں وفد لیکر بھیجا۔ اور انہیں
[illegible] وظیفے دیے جانے لگے۔ اب کسی دن
[illegible] آئے گا

سیّد طالب کی گرفتاری

جب کانفرنس کا خاتمہ ہو گیا - اور سر پرسی کاکس بغداد واپس چلے گئے - تو مضطربانہ افواہیں اشاعت پذیر ہونے لگیں - کہ فیصل اب عراق عرب میں لایا جا رہا ہے - کیونکہ رائے لینے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی گئی - اور اس کو بالجبر وہاں کا تاجدار بنایا جائیگا - اور انتخابات بالکل نہ ہوں گے - حکام جنہوں نے یہ نکتہ نہیں سمجھا تھا یا شاید سمجھتے ہوں - ان افواہوں کی برابر تکذیب کرتے رہے - یہاں تک کہ فیصل جولائی میں آدھمکے - اس وقت حکام عراق نے اپنی لاعلمی ظاہر کی - اور نقیب بغداد اور سید طالب نے ان افواہوں پر جلدی روشنی ڈالنے کی التجائیں کیں - اور پھر ان سے وعدہ کیا گیا - کہ عراق عرب کی آزاد مرضی کو پامال نہیں کیا جائیگا لیکن سید طالب ان افواہوں سے اتنا آشفتہ خاطر ہوا کہ انگریزوں کی کوئی بات نہ مانی پھر اپریل میں سید طالب کی پر تکلف ضیافت کی گئی - جہاں سید صاحب نے شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر فرمایا - کہ عراق عرب فیصل کو کبھی تاجدار تسلیم نہیں کرے گا - اور جو بعض افسران برطانیہ امیر فیصل کی ناجائز طرفداری کر رہے ہیں - وہ اس عرب حکومت کا جس نے انہیں ملازم رکھا ہے حق نمک نہیں ادا کر رہے ہیں - دوسرے دن یہی بات کسی انگریز نے سر پرسی کاکس کے کان میں ڈال دی - سر پرسی کاکس نے یہ سمجھ کر کہ اگر مجلس قاہرہ کو اصلیت کا جامہ پہنانا منظور ہے - تو لازم ہے کہ سید صاحب کو خارج کر دیا جائے - اور اپنی طاقت کی نمائش کی جائے - تاکہ سطوت کا تحفظ ہو سکے وقت بالکل ضائع نہیں کیا گیا - دوسرے ہی دن افسر اعلیٰ اور ماتحت افسر سید طالب کے لئے دوڑ پڑے - سہ پہر کے وقت سید طالب صاحب لیڈی کاکس کے ساتھ چائے نوشی کے لئے مدعو کئے گئے - قصر حکومت میں گئے - تو اتفاق سے لیڈی کاکس

تھا نہیں۔ اور سر پرسی کاکس بغداد کی سالانہ "اسپ بازی" میں بغرض شمولیت گئے تھے۔ جو سر اسٹیفن موڈ کی یاد میں بغداد میں ہر سال منائی جاتی تھی۔ اور اس کی یہ چوتھی سالانہ نوبت تھی۔ سید طالب پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ لیڈی کاکس پر شبہ کیا جا سکتا تھا۔ جب سید طالب صاحب اپنی موٹر پر سوار ہو کر قصر حکومت سے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ تو راستہ گاڑی جانے کا صرف ایک ہی تھا۔ موٹر چند قدم ہی گئی ہوگی کہ انہیں پچاس قدم کے فاصلہ پر ایک موٹر آتی ہوئی نظر آئی۔ جس کی وجہ سے انہیں اپنی موٹر روک لینی پڑی۔ انہیں فوراً ایک افسر نے گرفتار کر لیا۔ اور دو گھنٹوں کے بعد وہ جنوب کی سمت ریل گاڑی میں چڑھائے جاتے ہوئے نظر آئے۔ اور تھوڑی دیر میں کشتی پر سوار کرا کے بصرہ پہنچا دیئے گئے جہاں سے جلدی جلدی سمندر کی منازل قطع کر کے لنکا میں مقید کر دیئے گئے۔ اور اب اسی جگہ وہ بخت و دل پر پڑے پڑے کھا رہے ہیں!۔

اس طرح عراق عرب کی مجلس وزارت کا سب سے پہلا وزیر جس نے محنت کر کے انگریزی سیکھی جس کے لڑکے آجکل انگلستان میں تعلیم پا رہے ہیں جسکو انگریزوں پر پورا پورا اعتماد تھا۔ جو انگریزوں کے اس وقت کام آیا جب عربی دنیا ان کے لئے نہایت تاریک تھی۔ اور کوئی پشت پناہ نہیں ملتا تھا۔ اور جس کی وجہ سے سیکڑوں انگریزوں کی جانیں بچیں۔ مقید کر دیا گیا۔

اس واقعہ کا اثر حسب دلخواہ ہوا نقیب خوف زدہ ہو گیا۔ اور عراق عرب تھر تھر کانپنے لگا۔ تاہم امیر فیصل نے جس روز سر زمین بصرہ پر قدم رکھا۔ اور جس شان سے اس کا استقبال کیا گیا۔ اس کو دیکھ کر شاید پتھر کے دانتوں کو بھی شرم آ جائے۔ مقامات مقدسہ کا اس نے دورہ کیا وہاں بھی اس کا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ اور ہر جگہ اس کو منہ کی کھانی پڑی البتہ بغداد میں بقول مسٹر چرچل "اعلیٰ مناسبت رکھنے والے انسان" جعفر پاشا نے

تو ما بچونا استقبال کیا۔ جس کی حب الوطنی واقعی شک و شبہ سے برتر ہے۔ یہ شخص بغدادی ہے لیکن جرمنی میں فن حرب کی تعلیم پائی اور ترکی میں نوکری کی۔ اس لئے شہنشاہیت پسندی اس کے خمیر میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ شام کے حالات اس خوبی سے جانتا ہے جیسے کہ خود اپنے وطن بغداد کے اور شام میں فیصل لارنس کے ہمراہ کام کر رہا ہے۔ اور التوائے جنگ سے لیکر فرانسیسی دور حکومت کی ابتدا تک وہ حلب کا حاکم اعلیٰ بھی رہا۔ فرانسیسیوں سے نقیض ہوئی تو وہ علیحدہ ہو کر انجمن اتحاد عربی میں داخل ہو گیا۔

یہ مسئلہ بہت نازک ہے کہ اتحاد عرب کی نشر و اشاعت کا اثر ہمارے اور فرانس کے باہمی تعلقات پر کیا ہوا۔ اس پر بحث و تحیص بھی ذرا مشکل ہی ہے۔ تین سال گذرنے آئے لیکن یہ مسئلہ پیرس اور لندن کے درمیان ایک دیوار کی طرح حائل رہا ہے۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں دمشق اور حلب سے مضامین لکھتے وقت میرا فرض تھا۔ کہ میں غایت کشیدگی کے موقعہ پر اس مسئلہ کی طرف توجہ دلاؤں۔ اس بجے وقت میں مجھے تو صرف ایک طریق کار نظر آیا ہے۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ سکوت اختیار کر لیا جائے۔ مجھے اعتماد ہے کہ اس وقت جو کچھ کہا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے موسم خزاں میں ایک ایسی حالت قائم کر لی۔ جس کی رو سے ہم نے حکمدار سلطنت کے لئے شام خالی کر دیا۔ اور دمشق میں فیصل کو مدد پہنچانی ترک کر دی۔ ان دونوں تدبیروں سے علی العموم اور ما قبل الذکر طریق کار سے خصوصاً ٹیکس دینے والوں کو کچھ سہولت نصیب ہوئی۔ اور ان کی رقم بچنے لگی۔ کہ کس طرح بتایا جائے۔ کہ ٹیکس دینے والوں کو کس قدر فائدہ ہوتا۔ اس وقت سے علی العموم اور عراق عرب کی بغاوت کے زمانے سے علی الخصوص یہ امر ضروری ہو گیا ہے۔ کہ اس پر خار مسئلہ کے متعلق بذریعہ پیغامات برقی

معلومات بہم پہنچائے جائیں۔ لیکن یہ یقینی نظر آیا۔ کہ یہ تاریک پردہ ضرور پھٹ جائے گا۔ اور رود بار انگلستان کے دونوں جانب بسنے والے اس امر پر زور دیں گے۔

لیکن بالآخر مجھے یقین دلا دیا گیا ہے۔ کہ اب تو کھری کھری سنانی پڑیں گی کیونکہ اس کے سوائے اور کچھ ناممکن ہے۔ ہمارے ملک کے حامیاں اتحاد عرب کی لاپرواہی اور ہٹ دھرمی۔ زمانہ جنگ کے بعد کی حکمت عملی کو مخفی رکھنے کی کوشش اس حد تک جا پہنچی ہے۔ کہ اب تو یقین بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اسے یہ عروج حاصل ہوگا۔ اس بعید مقام سے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ انگلستان کے عامۃ الناس کو واقعات و حقایق معلوم کرنے کے کس قدر محدود ذرائع حاصل ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ خاموشی اب ہرگز مفید نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس سخت خطرناک ہے۔ اگر اس مسئلہ پر ہم نے دلیری و جراٴت کے ساتھ توجہ نہ کی۔ تو محض چند آدمی خفیہ کارروائیاں کر کے ہمارے اور فرانس کے اتحاد و اتفاق کے دامن کو تار تار کر دیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جناب چرچل اور تمام کابینہ مسائل مشرق میں فرانس سے متحد رہنے کی دل سے آرزومند ہے۔ اور یہ خواہش کرتی ہے کہ فرانس اور شریف کے خاندان میں رابطہ اتحاد پیدا ہو جائے۔ در اصل یہ خواہشیں عین فطرت کے مطابق ہیں۔ امیر فیصل کو عراق واپس کر دینے سے فرانس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا منظور نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی مصیبت آ گئی۔ تو لاعلمی کا عذر لنگ بالکل ناکافی ثابت ہوگا۔

فرانس کے مخالف امیر

اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس بارے میں ناواقفیت و لاعلمی کوئی معقول عذر نہیں۔ لیکن چونکہ حامیانِ اتحادِ عرب اپنی تجاویز کو انتہا تک پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں اس لئے اب وقت ہے کہ ہم تمام عذرات کو بالائے طاق رکھ کر صاف صاف اور کھلے کھلے حقائق کو عالم آشکارا کر دیں صحیح اور ناقابل تغلیط و تکذیب واقعات وحقائق یہ ہیں۔ کہ امیر فیصل جسے ہم نے عراق میں جمایا۔ اور عبد اللہ جسے ماورائے اردن میں قائم کیا۔ یہ دونوں فرانسیسیوں کے سخت دشمن ہیں۔ دونوں کو فرانسیسیوں سے دلی نفرت ہے۔ اور وہ بلاتکلف ہر نووارد کے پاس اس حقیقت کا اظہار کر دیتے ہیں۔ انھوں نے شام سے فرانس کو خارج کر دینے کی سعی کی۔ اور وہ اس امید و آرزو کو پردہ خفا میں نہیں رکھتے۔ کہ آخر کار انہیں مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔ فرانسیسیوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کرنے کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں۔ ان کا مقصود و مدعا صرف ایک ہے۔ کہ ایک عظیم الشان عربی سلطنت قایم کریں۔ جو بغداد۔ حلب۔ دمشق۔ یروشلم۔ حجاز اور عرب وسطے پر مشتمل ہو سوہ یہودیت کو خفا کر دینا چاہتے ہیں۔ اور فرانس کے اخراج کا مصمم عزم کئے بیٹھے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے۔ کہ قاہرہ لندن فلسطین اور عراق میں بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اشخاص ان کی تائید و اعانت پر آمادہ ہیں۔

کابینہ کے وزیر اعلیٰ کو گرفتار کرنے کے بعد عرب اتحادیوں کے لئے یہ آسان ہو گیا۔ کہ فیصل کو عراق کے گلے چیپ دیں۔ برطانوی حکومت نے پھر اپنے تمام مواعید و مواثیق کو پس پشت ڈال کر یہ فیصلہ کیا۔ کہ عراق میں جمہوریت کے

قیام کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ حالانکہ اگر حکومت کی ہیئت و صورت کے مسئلہ کو رائے عامہ پر منحصر رکھا جاتا۔ تو جمہوریت کا کامیاب ہونا یقینی تھا۔ اس لیئے یہ چال چلی گئی۔ کہ رسمی طور پر ایک مصنوعی اور نمائشی استشارہ کر لیا جائے۔ پس تمام بڑے بڑے شیوخ و روساسے پوچھا گیا۔ کہ کیا آپ لوگ امیر فیصل کو اپنا دستوری بادشاہ ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ سید طالب کا حشر دیکھ چکنے کے بعد اس درجہ عقل و خرد سے کون بے بہرہ تھا۔ جسے اس سوال کے جواب میں انکار کی جرأت ہوتی۔ پس زبان سے تو کسی نے بھی انکار نہ کیا۔ لیکن دل غیظ و غضب سے لبریز ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت پورا عرق نفرت و انتقام کے جذبات سے دیوانہ ہو رہا ہے۔

شریف کی تجویز

اس تجویز کا مقصد یہ تھا۔ کہ شاہ حسین کے خاندان کے مختلف ارکان کو شام و عراق اور حجاز کی حکومتیں مل جائیں۔ اور بعد میں یہ سب ایک متحدہ عربی سلطنت کی صورت اختیار کر لیں۔ چونکہ ہم یہودیوں سے خاص وعدہ کر چکے تھے اس لیئے مسٹر چرچل نے اپنے دل میں فلسطین کو علیحدہ کر رکھا تھا۔ اگرچہ شریف کا خاندان اور اس کے موید ین اسے بھی شامل سمجھتے تھے۔

ایک ایسے شخص کو دمشق پر قابض کرنا جسے فرانسیسیوں نے بزور د قوت وہاں سے نکالا تھا۔ ایک انتہائی حماقت تھی۔ لیکن ہم اس حماقت سے علیحدہ ہو کر "اتحاد عرب" کی حسنات پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر چرچل فرماتے ہیں۔ کہ ترکوں نے عربستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ لیکن اگر سچ پوچھئے تو حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ بس ال لے گیا خوب فرمایا ہے۔ کہ صرف

ترکوں کے ماتحت عرب کی اجتماعی صورت قائم رہی عربوں میں کوئی ایسا قومی احساس نہیں ہے۔ جو بحیرہ احمر، ساس شام اور دجلہ کو یکساں شامل ہو۔ ابھی صدیوں تک قبائلی جذبہ نسلی جذبہ پر غالب رہے گا۔ محض چند اشخاص کے قلوب اس نور سے منور ہو رہے ہیں۔ جب کہ متحدہ فلسطین، متحدہ عراق اور متحدہ شام ہی کی ہستی میں کلام ہو۔ تو پورے عربستان کے اتحاد جذبہ کی کیا حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود شاہ فیصل کی اپنی پوری قوم کو ایک شیرازے میں لانے کی سعی و جہد نہایت درجہ عظیم الشان اور قابل قدر ہے۔ اور اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جائے تو ہم سب اس کا لوہا مان لیں گے۔

تاہم یہ ممکن ہے کہ ہم پر اور فرانسیسیوں پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ مشرق وسطیٰ میں جمنے کی کوشش کرنا ہمارے لئے سودمند نہیں۔ بلکہ نہایت درجہ مضرت رساں ہیں۔ اور صحیح بات کہ اگرچہ ہمارے روپیہ کے مقناطیسی اثر نے سب کو مسحور کر رکھا ہے۔ لیکن دل کسی کا بھی ہمیں پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اگر ہمارے ملک کی مالی و اقتصادی مشکلات اور عوام کے اس نئی اقتدار پسندی کے خلاف جوش و جذبے سے جو سنہ ۱۹۱۸ء کی ہنگامی صلح کے بعد زوروں پر آئی۔ کوئی خاص عمدہ اور موزوں وقت آ گیا تو فیصل کو ان آرزوؤں کے پورا کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ مسٹر چرچل نے اعتراف کیا ہے کہ مشرق وسطےٰ کے انگریزی اور فرانسیسی افسروں کے درمیان ایک گونہ کشیدگی اور ملامت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ لیکن در اصل حقیقت سے بہت زیادہ ہے۔ اور جب تک کہ جمہور برطانیہ اتحاد عرب کو مضبوطی سے مٹانے پر نہیں تل جائیں گے۔ صورت بدتر ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی ایسا موقع آ جائے جس میں فیصل کو فرانسیسیوں سے دوچار

نہ ہونا پڑے۔ تو یہ خیال محال معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ عربوں کے ساتھ فتح حاصل کر سکے گا۔ عارضی صلح کے بعد مضبوط و محکم عہد و پیمان کے باوجود اس کے باپ حسین (شریف مکہ) اور اس کے بھائی عبداللہ نے ابن سعود پر حملہ کیا۔ لیکن وہابیوں نے انہیں تین مرتبہ ذلت کے ساتھ شکست دی حتی کہ مئی ۱۹۱۹ء میں مکہ اس کے قبضہ میں آنے والا تھا۔ صرف وہاں پہنچنے کی دیر تھی۔ جبکہ ہماری پیہم درخواستوں پر ابن سعود نے اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ اور وہ آجتک پورے صبر و سکون کے تھا حجازیوں کی دراز دستیوں کو برداشت کر رہا ہے جن سے وہ (حجازی) آجتک باز نہیں رہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ کہ وہابی نہایت درجہ طاقتور اور مضبوط ہیں۔ اور وہ ہر وقت شاہ حسین کو ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔ اگر وہابیوں کی فوجیں بھی اسی طرح مسلح ہوتیں۔ اسی طرح انہیں باقاعدہ تنخواہیں ملتیں۔ اسی طرح انکی حوصلہ افزائی ہوتی۔ جس طرح کہ شریف کی فوجوں کی ہوتی رہی ہے۔ تو وہ "جبل شمار" کو فتح کر کے ماڈریڈ ٹاؤنشنڈ کے میمنہ پر اتنی ہی اہم خدمات انجام دیتے جتنی کہ شریف مکہ کی فوجوں نے ایلینبی کے میسرہ پر انجام دیں۔ پھر بھی انھوں نے ہمیں جنگ کے آخری دور میں ترکوں کی ناکہ بندی میں معقول مدد دی۔ جو "جبل شمار" اور بندر "قویت" کے راستہ اشیائے رسد حاصل کر رہے تھے۔ اور ۱۹۱۸ء میں ابن رشید کے ملک پر چڑھ دوڑے۔

اس سال انھوں نے سر پرسی کاکس کے پاس بغداد میں ایک سفارت بھیج کر یہ ظاہر کیا۔ کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ یا تو شاہ حسین کو اپنا رویہ بدلنے کے لئے خاص تنبیہ کر دی جائے۔ ورنہ ہم انتقام گیری پر مجبور ہو جائیں گے۔ امیر فیصل کو بغداد میں شاہی تخت پر بٹھانا مزید ظلم تھا۔ ابن سعود نے

صاف صاف کہدیا۔ کہ میرے گرد دو بھٹیاں سلگادی گئی ہیں پھر میں کیسے ہاتھ پاؤں توڑ کر خاموش بیٹھ سکتا ہوں۔ مزید براں ایک تیسری خطرناک تر مصیبت یعنی عبداللہ ماورائے یردون پر قابض ہے۔ سر پرسی کاکس نے اس احتجاج کے جواب میں اسے "شاہِ نجد" کے نام سے مخاطب کیا۔ اس خوشامد تملق اور ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت سے جو ماہ بہ ماہ ادا ہوتی رہے گی۔ ابن سعود کو خاموش رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ہم نے شاہ حسین کے خاموش رکھنے کے لئے کیا تدبیریں کی تھیں جس نے اب تک ابن سعود کے ساتھ مصالحت قایم رکھنے کی ان تمام کوششوں کو جو ہماری طرف سے ہوئیں بے حقیقت سمجھا۔ اگر شاہ حسین نے اپنی دراز دستیوں کی تجدید کی۔ تو کیا ابن سعود کا وظیفہ بند کر دیا جائے گا۔ ہمیں تو اس حکمت عملی کا نتیجہ ناکامی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ صورت ہے جس پر برطانی پارلیمنٹ کو جلد متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہمیں سخت خطرات نظر آ رہے ہیں۔ اور یہ طے کر لینا ضروری ہے کہ جب ہم اپنے تمام وعدوں کو توڑ چکے ہیں۔ تو اب کونسی حکمت کو بنائے عمل اور محور کار بنائیں گے۔

ہمیں خالی کر دینا چاہیے

صرف ایک حکمت عملی باقی ہے کہ ہمیں عراق عرب سے فوراً دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ اور اب اس کا بہترین وقت ہے۔ ایک عرب نظام حکومت قائم ہو چکا ہے۔ جس کا حکمران اعلٰے عرب ہے۔ گو یہ انگریزی اور فرانسیسی اعلانات کا ایفا نہیں۔ لیکن ہمیں عوام کی برانگیختگی سے بیشتر عراق سے ہٹ آنا چاہیئے مسٹر چرچل کے مقاصد اور فرانس کی حکمت عملی میں روز بروز اختلاف بڑھتا جائیگا

آخر ہم تخلیہ عراق پر عمل پیرا ہو کر شامی سازش کے دھبے سے اپنے دامن کو پاک کرلیں۔ اور فیصل اپنی ذمہ داری پر اسے معرض عمل میں لائے۔ اس نے ہمارے ساتھ ایک مقامی فوج کی تنظیم و ترتیب کا عہد کرلیا ہے تاکہ ہم تخلیہ کے قابل ہوسکیں قاہرہ کانفرنس کے فیصلے کے مطابق دس اکتوبر میں ہماری فوج کے صرف بارہ بٹالیں رہ جانے تھے۔ اور مسٹر چرچل نے امید دلائی تھی۔ کہ موسم خزاں میں عربی فوج تیار ہو جائیگی۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ وقت کا تعین ناممکن تھا لیکن اگر ہم اس وقت اس کے ایفا کا انتظار کریں۔ تو ایک نئی مصیبت ہمارے گلے کا ہار بن جائیگی۔ اور پھر تخلیہ کے خلاف نئے شواہد و دلائل روبرو آجائینگے بہترین تدبیر یہی ہے کہ ہم فوراً وہاں سے بھاگ آئیں۔ آٹھ ہوائی پلٹنوں کی بجائے جنھیں مسٹر چرچل حفاظتِ عراق کی خاطر وہاں متعین کر رہے ہیں ہمیں چاہیے کہ ایک ہوائی اسٹیشن بنائیں جو صحرا میں ہوائی سلاسل کا تحفظ کر سکے لیکن جب تک ہم اپنے آپ کو عراق عرب کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہم اس مُلک کے باشندوں کے ساتھ ایک نئی جنگ میں اُلجھنے سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس کا موجودہ حکمران کہیں ہماری اور فرانسیسیوں کی دوستی میں خلل نہ ڈال دے۔ ہم اس وقت فیصل کے ساتھ ایک صلح نامہ کے متعلق گفت و شنید کر رہے ہیں پارلیمنٹ اور جرائد کا فرض ہے کہ وہ اس صلح نامہ کی ایک ایک سطر کو معرض بحث میں لائے جانے پر زور دیں تاکہ توثیق و تصدیق سے پیشتر اس کی پورے طور پر تشریح ہو جائے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ "اتحاد عرب" والے اس میں خاص حصہ لے رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح شاہ فیصل کی امداد و اعانت کے لئے وہیں الجھ رہیں جو پھر دمشق پر متصرف ہونا چاہتا ہے۔

تاوقتیکہ ہم تخلیہ نہ کریں مسٹر چرچل کی لاکھوں کروڑوں روپے پہنچانے کی امیدیں اور دعوے محض وہم معلوم ہوتے ہیں۔ قاہرہ کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ موجودہ عرب افواج برطانی افسروں کے زیر قیادت شاہنشاہی فوج کی حیثیت سے قائم رہیں گی۔ نیز ان میں بہت بڑا اضافہ ہوگا۔ جس کا آغاز بھی ہوا تھا۔ کرد ور کلدانی اور شامی جوق جوق آرہے ہیں اور جب تک بڑی بڑی تنخواہوں کا یہ سلسلہ قائم ہے شاہ فیصل عراق عرب کے مالیہ سے فوج مرتب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور یہی ہماری سبکدوشی کی شرط ہے رہا تیل کا مسئلہ تو مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ماہرین فن کی رائے کے مطابق کم از کم تین سال اس تحقیقات پر صرف ہوں گے کہ آیا حیفہ تک مجوزہ پائپ لائن کے شروع کرنے کے لئے ذخیرہ بھی کافی ہے اس اثنا میں برطانوی کابینہ کو عراق عرب کی ریلوے کی درستی پر ساٹھ لاکھ پونڈ صرف کرنے پڑیں گے۔ جب تک ہم وہاں ہیں ٹھہرنے اور قبضہ جمائے رکھنے کے لئے وجوہ کا پیدا ہونا لازمی ہے اور نئے نئے مصارف کی صورتوں کا پیش آنا ناگزیر۔ بس چاہیے کہ ہم عراق سے معاً کنارہ کش ہو جائیں۔

(بمبئی کرانیکل)

خلافت اور انگلستان باتصویر

(از جناب ڈاکٹر سید محمود پی ایچ ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا پٹنہ سکریٹری آل انڈیا خلافت کمیٹی)

مسئلہ خلافت کی کیا اہلیت ہے اور برطانیہ کا طرز عمل خلافت اور خلیفہ کے ساتھ کیسا رہا ہے ان دونوں مسئلوں کے متعلق یہ پہلی تصنیف ہے۔ ملک کے بہترین مصنفوں نے ہمارے اور عالموں نے اس کے متعلق بہترین رائیں ظاہر کی ہیں۔

مسٹر بھیتال ایڈیٹر کرانیکل اور مسٹر مظہر الحق جیسے ماہرین سیاسیات نے اس کتاب کی تمہید لکھنے میں جو زور قلم صرف کیا ہے وہ پڑھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ہر لیڈر اور عالم کی رائے سے ایک ایک فقرہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد علی فرماتے ہیں۔ خلافت کیلئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت تھی اس کمی کو ڈاکٹر سید محمود نے نہایت خوبی سے پورا کر دیا۔

مولانا شوکت علی۔ یہ کتاب ہر پہلو سے قابل قدر ہے۔ یہ ایک نادر تصنیف ہے اس کا ترجمہ ہندوستان کی ہر زبان میں ہونا چاہئے۔

مولانا ابو الکلام آزاد۔ مستند انگریزی تحریرات کی بہت کمی محسوس کیجا رہی تھی ڈاکٹر سید محمود کے رسالہ کی بر وقت اشاعت اس کمی کو نہایت عمدہ طور پر پورا کرے گی۔ انھوں نے نہایت قابلیت کے ساتھ خلافت کی تاریخ پر نظر ڈالی ہے۔

مسٹر مظہر الحق پٹنہ۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب ابتک شائع نہیں ہوئی۔ نہایت قابلانہ و منصفانہ طریقہ سے اس مسئلہ پر بحث کیگئی ہے۔

مسٹر بھیتال۔ ایڈیٹر بمبئی کرانیکل۔ یہ ایک نادر اور بیش بہا تصنیف ہے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔ اسمیں بہت سے ایسے نئے تاریخی واقعات ہیں جن کا ابتک لوگوں کو عام طور پر علم نہ تھا۔ قیمت عمر

ملنے کا پتہ:۔ مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ